مجلس انصاراللہ یو.کے. کا علمی تعلیمی و تربیتی مجلہ

انصارالدین

ہجرت،احسان-1389 جلد 7 ، نمبر 3 مئی،جون 2010



انصاراللہ چیریٹی واک ۲۰۱۰

Love For All Hatred For None

﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریمؐ   وعلیٰ عبدہ المسیح الموعودؑ﴾

انصار الدین

جلد 7   نمبر 3   مئی تا جون 2010ء

فہرست مضامین

انصار اللہ کا عہد

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ
وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

میں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام اور احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظام خلافت کی حفاظت کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ آخر دم تک جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔ نیز میں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

زیر سرپرستی
صدر مجلس انصار اللہ: چودھری وسیم احمد
مدیر اعلیٰ: ڈاکٹر شمیم احمد
مدیر (اردو): محمود احمد ملک
نائب مدیر: نوید احمد
مدیر (انگریزی): احد بھنو
نائب مدیر: عمر احمد
معاونین: شیخ لطیف احمد، نعیم گلزار
مینیجر: قائد اشاعت
ترسیل: مسعود علی کبیر، اعجاز احمد

مجلس انصار اللہ برطانیہ کا
سالانہ اجتماع 2010ء

یکم، 2 و 3 / اکتوبر 2010ء

بروز جمعۃ المبارک، ہفتہ و اتوار

بمقام اسلام آباد، ٹلفورڈ

مزید معلومات اپنے مقامی زعیم حلقہ سے حاصل کی جاسکتی ہیں

"Ansaruddin" 181 London Road, Morden, Surrey SM4 5HF   e-mail address: ansaruddinuk@hotmail.com

اداریہ

28 مئی 2010ء کو پاکستان کے شہر لاہور میں جماعت احمدیہ کی دو مساجد پر جو حملہ ہوا ہے وہ ایک بے حد سنگین اور دردناک واقعہ ہے جو جماعت احمدیہ کے خلاف ایک سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ ہے۔ جمعہ کے بابرکت اور مقدس دن دونوں مساجد میں احمدی جمعہ کی نماز میں اپنے خدا تعالیٰ کے حضور رکوع و سجود میں حاضر تھے کہ چند درندہ صفت انسانوں نے ان پر لگاتار فائرنگ کر کے 87 معصوم احمدیوں کو شہید کر دیا جن میں بوڑھے، جوان اور بچے شامل تھے اس کے علاوہ 150 کے قریب شدید زخمی بھی ہوئے۔ ان کا صرف یہ قصور تھا کہ وہ اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے فرمان کے مطابق اِس زمانہ کے امام کو شناخت کر کے اس پر ایمان لے آئے تھے۔ یہ واقعہ خالصتاً مذہبی منافرت کے نتیجہ میں ہوا ہے اور اس کی پشت پر ایسے مذہبی رہنماؤں کا ہاتھ ہے جو آنحضرت ﷺ کی حدیث کے مطابق روئے زمین پر بدترین مخلوق ہیں اور تمام فتنوں کی آماجگاہ ہیں۔

اس واقعہ پر غور کرتے ہوئے خیال اسلام کے دورِ اوّل کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جب آنحضرت ﷺ کے محبوب صحابہ کو دشمنانِ اسلام نے ایسے ہی شہید کیا۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے اپنے جانثاروں کو صبر و تحمل کی تلقین کی تھی۔ گو ان کے دل خون تھے اور آنکھیں اشکبار تھیں مگر انہوں نے صبر و رضا کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔ اس اندوہناک واقعہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی پیروی میں ہی جماعت کو صبر و تحمل کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ احمدیوں کے دل حزیں تھے مگر خدا تعالیٰ کے حضور فریاد کے سوا ان سے کوئی بے صبری کا مظاہرہ نہیں ہوا۔ خدا تعالیٰ کے فرستادہ مسیح کی جماعت! تمہیں مبارک ہو کہ تمہارا طرزِ عمل وہی رہا جو آنحضرت ﷺ کے صحابہ کا تھا۔

دوسری طرف اپنے آپکو مسلمان کہلانے والے اور رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْنؐ کی طرف خود کو منسوب کرنے والے مذہبی رہنماؤں کا طرزِ عمل ویسا ہی دکھائی دیتا ہے جو ہمیشہ سے خدا تعالیٰ کے انبیاء کے مخالفین کا رہا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ آج کے دَور میں بھی ایسے مذہبی رہنما موجود ہیں جو اپنے آپکو منسوب تو رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْنؐ کی طرف کرتے ہیں مگر ان کا ہر قول اور فعل اس پاک عمل کے برعکس ہے۔

''یہ اسی رَحْمَۃٌ لِّلْعَالَمِیْنؐ کی غلامی کا دم بھرتے ہوئے بھی اس کی تمام صفاتِ حسنہ سے عاری ہیں۔ ان کے دل رحمت سے خالی اور ظلم سے بھرے ہوئے ہیں۔ اور ان کے سینوں میں غیض و غضب کے سمندر موجزن ہیں۔ اور مذہب کے نام پر سختی اور تشدّد کو روا رکھنا تو اب ان کے عقائد میں داخل ہو چکا ہے۔ وہ اسی آسمانی پانی کا واسطہ دے کر جو دلوں کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے آیا تھا، بے علم عوام کے سینوں میں غضب کی آگ بھڑکا دیتے ہیں۔ وہ اسی امن کے شہزادہ کا نام لے لے کر جس نے عرب کی خونی سرزمین سے اپنے خون کی قربانیاں دے کر قتلِ ناحق کو یکسر مٹا ڈالا تھا۔ اسی کے ماننے والوں کو بے کسوں کے قتل پر آمادہ کرتے ہیں۔ وہ اسی امین کی محبت کو انگیخت کر کے، جس کے گھر غارت گروں نے لوٹ لئے، دنیا کو غارت گری کی تعلیم دیتے ہیں۔ وہ جس نے غیروں اور بدکرداروں کی بیبیوں کی عصمت کی بھی حفاظت کی، ہاں وہ سب حیاداروں سے زیادہ حیادار، جو بے حیائی کو یکسر نابود کرنے کے لئے آیا تھا، آج اسی عصمتِ مجسم کے نام پر سالہا سال کی بیاہتا عورتوں کو اپنے خاوندوں پر حرام اور دوسروں پر حلال کر دیتے ہیں۔ وہ عابدوں کا سردار جس نے باطل مذاہب کے معبدوں کی بھی حفاظت کی، آج ان مذہبی راہنماؤں نے خود اسی کا کلمہ پڑھنے والے عابدین کے ایک گروہ کی مسجدوں کے انہدام کے فتوے دیئے۔ اور یہ سب ظلم جسے وہ نبیوں کا سردار مٹانے کے لئے آیا تھا خود اسی مظلوم نبی کے نام پر کئے جانے لگے۔ کیا کوئی بھی مسلمان یہ تصور کر سکتا ہے کہ اگر آج ہمارا آقاؐ ہم میں موجود ہوتا (خدا کی بیشمار رحمتیں اور درود ہوں اس محسن پر) تو وہ اپنی امت کے اس حال کو دیکھ کر خوش ہوتا؟ نہیں نہیں۔ ایسا مت خیال کرو کیونکہ یہ اس حسن و احسان کے مجسمہ کی توہین ہے۔ کیا کوئی بھی مسلمان یہ وہم دل میں لا سکتا ہے کہ وہ اپنی امت کے علماء کو تلقین کرتا کہ سٹیجوں پر چڑھ کر ایک دوسرے کے بزرگوں کی تذلیل اور توہین کرو اور انہیں کہتا کہ ہاں اور گالیاں دو۔ گندے بہتان لگاؤ اور الزام تراشو اور پردہ دار عفت مآب بیبیوں کے نام لے لے کر ایسی مغلّظات بکو کہ ایک لامذہب بھی ان کو سن کر شرمانے لگے۔ کیا کوئی بھی مسلمان یہ وہم دل میں لا سکتا ہے کہ وہ سلامتی کا شہزادہ اپنے علماء کو ایسے ہیجان آمیز خطبات دینے کی تلقین کرتا جس سے بستیوں کا امن اٹھ جائے اور ایسی شعلہ نوائیوں کا حکم دیتا کہ جس سے بیکسوں اور کمزوروں کے گھروں اور اموال کو خود ان کے سمیت نذرِ آتش کر دیا جاتا اور کہتا کہ ابھی بس نہ کرو اور مرتدّین کی مسجدیں مسمار کر دو اور ان کی عورتوں کو بھی۔ کیونکہ فتنۂ ارتداد کو مٹانے کا بس یہی ایک روحانی طریق ہے۔

خدارا اپنے دلوں کو ٹٹولو اور جواب دو کہ کیا کوئی بھی مسلمان ایک لمحہ کے لئے یہ تصوّر کر سکتا ہے؟ نہیں اور یقیناً نہیں۔ مجھے اس خدا کی قسم ہے کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اور مکہؔ کی گلیوں کی ایک ایک اینٹ گواہ ہے جن پر مظلوم غلاموں کو ارتداد کی سزا میں مرے ہوئے جانوروں کی طرح گھسیٹا گیا تھا اور صحرائے عرب کی ریت کے سلگتے ہوئے ذرّے گواہ ہیں اور وہ جھلستی ہوئی پتھر کی سلیں گواہ ہیں جنہیں ان بیکسوں کی چھاتیوں پر رکھا جاتا تھا کہ یہ اطوار سیّدِ وُلدِ آدمؐ کے اطوار نہیں اور یہ اخلاق اس مقدّس رسول کے اخلاق نہیں۔ اور مجھے قسم ہے اس خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اور طائف کی سنگلاخ زمین کا ایک ایک پتھر گواہ ہے جس پر سیّد وُلدِ آدم کا خون ٹپکا تھا کہ میرے مظلوم آقا نے کبھی مذہب کے نام پر جبر کی تعلیم نہیں دی۔ عفت کے نام پر عصمتوں کے لوٹنے کا حکم نہیں دیا اور عبادت کی آڑ میں معبدوں کو مسمار کرنے پر انگیخت نہیں کیا۔ پھر کیوں نہ میری آنکھ شرم سے جھک جائے اور کیوں نہ میرا دل درد سے بھر جائے کہ اُسی مقدّس ذات کی طرف منسوب ہونے والے آج بھی ایسے بے درد راہنما موجود ہیں۔'' (از ''مذہب کے نام پر خون'')

درس القرآن

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَاللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ وَ سَعٰی فِیْ خَرَابِھَا ط
اُولٰٓئِکَ مَا کَانَ لَھُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْھَآ اِلَّا خَآئِفِیْنَ ط لَھُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○

(سورۃ البقرۃ، آیت 115)

ترجمہ: اور اس (شخص) سے بڑھ کر کون ظالم (ہوسکتا) ہے جس نے اللہ کی مساجد سے (لوگوں کو) روکا کہ ان میں اُس کا نام لیا جائے اور ان کی ویرانی کے درپے ہوگیا۔ ان لوگوں کے لئے مناسب نہ تھا کہ ان (مساجد) کے اندر داخل ہوتے مگر (خدا سے) ڈرتے ہوئے۔ اُن کے لئے دنیا میں (بھی) رسوائی ہے اور آخرت میں (بھی) ان کے لئے بڑا عذاب (مقدر) ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص مساجد میں اللہ تعالیٰ کا نام نہ لینے دے اور اُس کی عبادت سے لوگوں کو روکے اور اس طرح اُن کو ویران کرنے کی کوشش کرے تو وہ سب سے زیادہ ظالم ہے۔ یہ ایک اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے جو اسلام نے پیش کی ہے۔ دنیا کے کسی مذہب نے ایسی تعلیم پیش نہیں کی۔ آنحضرت ﷺ کے وقت تک ہر مذہب کے پیروکار اپنی اپنی عبادت گاہوں میں دوسرے مذاہب کے لوگوں کو عبادت کرنے سے روکتے تھے بلکہ ان میں دوسروں کو داخل ہونے کی اجازت بھی نہ دیتے تھے۔ خود آنحضرت ﷺ کو، جن کے لئے خانہ کعبہ بنایا گیا تھا، قریشِ مکہ نے عبادت سے روک دیا تھا۔ تاریخ عالم بتاتی ہے کہ یہ بات اس وقت کی ایجاد نہ تھی بلکہ ہمیشہ سے دنیا انہی امور کی خوگر چلی آرہی تھی۔ قرآن کریم نے نہایت وسعتِ حوصلہ کی تعلیم دی اور دنیا میں سب سے پہلا انسان جس نے اس پر عمل کر کے دکھایا وہ ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ ہی ہیں۔ جب نجران کا عیسائی وفد آپ سے ملاقات کے لئے آیا تو آپؐ نے انہیں مسجدِ نبوی میں ہی عبادت کی اجازت عطا فرمائی۔ کچھ لوگوں نے انہیں منع کرنے کی کوشش کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایسا مت کرو۔ اسی طرح آپؐ نے ہمیشہ یہ تعلیم دی کہ جنگ کے موقعوں پر بھی دوسروں کی عبادت گاہوں کو مسمار نہ کیا جائے کیونکہ ان میں خدا تعالیٰ کی پرستش ہوتی ہے۔

اس آیت میں ہر قسم کی زیادتیوں اور تعدیوں کو جو ایک مذہب کے پیرو دوسرے مذاہب کے عبادت خانوں اور عبادات کے متعلق کرتے ہیں یک قلم موقوف کر دیا گیا ہے اور سب مذاہب کے پیرؤوں کو اس طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ وہ عبادت خانوں اور عبادتوں کے متعلق اپنے دلوں اور اپنے حوصلوں کو وسیع کریں کیونکہ عبادت کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے اور اس سے روکنا ایک بہت بڑا ظلم قرار دیا گیا ہے۔

افسوس کہ مسلمانوں نے اس آیت پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور ایک فرقے کے لوگوں نے دوسرے فرقوں کو اپنی مساجد میں عبادت سے روک دیا۔ اس ضمن میں سب سے زیادہ زیادتی احمدیوں کے ساتھ کی گئی اور کئی احمدیوں کو زدوکوب بھی کیا گیا اور ان پر کئی قسم کی سختیاں بھی کی گئیں۔ حتیٰ کہ احمدیوں کی مساجد کو نہ صرف مقفل کر دیا گیا بلکہ بعض کو شہید بھی کر دیا گیا تا کہ احمدی عبادت نہ کر سکیں۔ اسی طرح اذان دینے پر پابندی اور مساجد کی تعمیر کی اجازت نہ دینا بھی ایسی ہی ظالمانہ حرکت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعتِ احمدیہ میں کوئی ایسی مثال پیش نہیں کی جاسکتی کہ احمدیوں نے اپنی مساجد میں کسی کو عبادت کرنے سے روکا ہو۔

اس آیت میں ان لوگوں کے لئے جو عبادت گاہوں میں خدا تعالیٰ کا نام بلند کرنے سے لوگوں کو روکتے ہیں دو سزاؤں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ انہیں دنیا میں ذلّت نصیب ہوگی اور دوسرے آخرت میں انہیں سخت سزا ملے گی۔ ذلّت کی سزا اس لحاظ سے تجویز کی گئی ہے کہ مساجد اور معابد بنانے کی صرف ایک ہی غرض ہوتی ہے کہ ان میں خدا تعالیٰ کی عبادت کی جائے۔ پس جو شخص ان میں لوگوں کو خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے سے روکتا ہے وہ دنیا کی نگاہ میں اپنے لئے ذلّت اور رسوائی کے سامان پیدا کرتا ہے اور آخرت میں بھی اس کے لئے ایک دردناک عذاب تیار ہوگا۔

حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ہر حکمت کی بات مومن کی اپنی ہی کھوئی ہوئی چیز ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ كَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ مَاوَجَدَ هَا فَهُوَا اَحَقُّ بِهَا (ترمذی)

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے۔ کہ حکمت اور دانائی کی بات تو مومن کی اپنی ہی کھوئی ہوئی چیز ہوتی ہے اسے چاہئے کہ جہاں بھی اسے پائے لے لے۔ کیونکہ وہی اس کا بہتر حق دار ہے۔

تشریح:

یہ لطیف حدیث علم کے حصول کا ایک بہترین ذریعہ بتاتی ہے علم ایسی چیز نہیں ہے کہ وہ صرف درس گاہوں میں شامل ہو کر یا مسجد کے خطبات سن کر یا عالموں کی مجلس میں بیٹھ کر یا اخبار پڑھ کر یا کتابوں کا مطالعہ کر کے ہی حاصل ہو سکے۔ بلکہ وہ ایک بہت وسیع چیز ہے جسے آنکھیں اور کان کھول کر زندگی گذارنے والا انسان صحیفۂ عالم کی ہر تختی سے حاصل کر سکتا ہے۔ علم کا شوق رکھنے والے انسان کے لئے زمین و آسمان اور سورج و چاند اور ستارے و سیارے اور جنگل و پہاڑ اور دریا و سمندر اور شہر و ویرانے اور دیوانے اور فرزانے اور انسان و حیوان اور مرد و عورت اور بچے و بوڑھے اور جاہل و عالم اور دوست و دشمن سب ایک کھلی ہوئی علمی کتاب میں جن سے وہ اپنی استعداد اور اپنی کوشش کے مطابق علم کے خزانے بھر سکتا ہے۔ اس لئے ہمارے آقا (فداہ نفسی) ﷺ فرماتے ہیں۔ کہ علم و حکمت کی بات مومن کی اپنی ہی کھوئی ہوئی چیز ہے۔ اسے چاہئے کہ جہاں بھی اسے پائے لے لے۔ اور اپنے دل و دماغ کی کھڑکیوں کو اس طرح کھول کر رکھے کہ کوئی علمی بات جو اس کے سامنے آتی ہے۔ اس کے دل و دماغ کے خزانہ میں داخل ہونے سے باہر نہ رہے۔ یہ وہ علم کی وسعت ہے جس کی طرف یہ حدیث اشارہ کر رہی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ اگر انسان کے دل و دماغ کی کھڑکیاں کھلی ہوں۔ تو بسا اوقات ایک عالم انسان ایک بچہ سے بھی علم حاصل کر سکتا ہے۔ چنانچہ روایت آتی ہے۔ کہ ایک دفعہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بچے کو بارش اور کیچڑ میں بھاگتے ہوئے دیکھا۔ اور اُسے آواز دی کہ میاں بچے ذرا سنبھل کر چلو تا ایسا نہ ہو کہ گر جاؤ۔ بچے نے گھوم کر جواب دیا۔ امام صاحب آپ اپنی فکر کریں۔ کیونکہ میں تو ایک معمولی بچہ ہوں۔ اگر میں گرا تو میرے گرنے کا اثر صرف میری ذات تک محدود رہے گا۔ لیکن آپ دین کے امام ہیں اگر آپ پھسلے تو قوم کی خیر نہیں۔ امام صاحب کی طبیعت بڑی نکتہ شناس تھی فوراً فرمایا کہ اس بچہ نے تو آہ مجھے بڑا قیمتی سبق دیا ہے۔

اس حدیث کے تعلق میں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے۔ کہ یہ جو اس حدیث میں ضالۃ (کھوئی ہوئی چیز) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ ایک مسلمان کو جو بھی حکمت اور دانائی کی بات نظر آتی ہے۔ وہ خواہ اسے پہلے سے معلوم ہو یا نہ ہو۔ درحقیقت اس کا بیج اسلام میں موجود ہوتا ہے اور اسی لئے اسے ضالۃ کہا گیا ہے تا کہ اس بات کی طرف اشارہ کیا جائے کہ یہ چیز حقیقۃً مومن کی اپنی تھی۔ مگر اس کی نظر سے اوجھل رہ کر اس کے قبضہ سے باہر رہی اس صورت میں مومن کا یہ حق ہے کہ اسے جب بھی ایسی چیز ملے۔ وہ اسے فوراً لے لے۔ اس لئے نہیں کہ اسے کسی دوسری کی چیز کے اڑا لینے کا موقع میسر آ گیا ہے۔ بلکہ اس کے لئے کہ اسے اپنی ہی کھوئی ہوئی چیز واپس مل گئی ہے۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے ضالۃ کے بعد یہ الفاظ فرمائے ہیں کہ فھو احق بھا "یعنی مومن ہی اس چیز کا زیادہ حق دار ہے" خواہ وہ بظاہر دوسرے کے قبضہ میں ہو۔ اور اگر غور کیا جائے تو حقیقۃً ہر علم و حکمت کی چیز کا اصل الاصول اسلام میں موجود ہے۔ جیسا کہ خود قرآن شریف فرماتا ہے کہ فیھا کتب قیمہ یعنی ہر دائمی صداقت جو انسان کے کام کی ہے وہ قرآن میں موجود ہے"۔ مگر افسوس ہے کہ بہت تھوڑے لوگ ایسے ہیں۔ جو غور کرتے اور فائدہ اٹھاتے ہیں۔

حق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بھی جو کچھ حدیث میں فرمایا ہے وہ بھی دراصل قرآن ہی کی تفسیر ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ آپ کی نظر جہاں پہنچی ہے وہاں کسی اور کی نہیں پہنچی اور نہ پہنچ سکتی ہے۔ آپ نے خدائی تائید و نصرت سے قرآن کے مستور اشاروں کو حدیث کے منشور اوراق پر سجا کر رکھ دیا ہے لیکن اس مادی عالم کی طرح جو حضرت آدم سے لیکر اس وقت تک ہر زمانہ کی ضرورتوں کو پورا کرتا آیا ہے۔ قرآن بھی درحقیقت ایک روحانی عالم ہے جس کے خزانے کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ اور اسی لئے اس کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ "یعنی ہمارے پاس (قرآن میں) ہر قسم کے روحانی اور علمی خزانے موجود ہیں مگر ہم انہیں ایک فیصلہ شدہ اندازے کے مطابق صرف حسبِ ضرورت ظاہر کرتے ہیں"۔ پس اس میں کیا شک ہے کہ دراصل ہر علم و حکمت کی چیز مومن کی ضالۃ ہے۔ کیونکہ اس کا بیج قرآن مجید میں موجود ہے اور قرآن مومن کا اپنا خزانہ ہے۔ خواہ کوئی شخص اس کے اندر کے ذخیروں پر آگاہ ہو یا نہ ہو۔ کاش دنیا قرآن کے مقام کو سمجھے اور کاش دنیا حدیث کے ان جواہر پاروں کی قدر بھی پہچانے جو ہمارے آقا نے قرآن کی کان سے نکال کر ہمارے سامنے پیش کئے ہیں۔

کلام الامام علیہ السلام

"جب ہم فکر کے ذریعہ سے یا کسی اور طریق جستجو کے ذریعہ سے کسی تدبیر اور علاج کو طلب کرتے ہیں یا اگر ہم طلب کرنے میں احسن طریق کا ملکہ نہ رکھتے ہوں یا اگر اس میں کامل نہ ہوں تو مثلاً غور وفکر کے لئے کسی ڈاکٹر کو منتخب کرتے ہیں اور وہ ہمارے لئے اپنی فکر اور غور کے وسیلہ سے کوئی احسن طریق ہماری شفا کا سوچتا ہے۔ تب اس کو قانون قدرت کی حد کے اندر کوئی طریق سوجھ جاتا ہے جو کسی درجہ تک ہمارے لئے مفید ہوتا ہے۔ تو وہ طریق جو ذہن میں آتا ہے وہ درحقیقت اس خوض اور غور وفکر اور توجہ کا نتیجہ ہوتا ہے جس کو ہم دوسرے لفظوں میں دعا کہہ سکتے ہیں کیونکہ فکر اور غور کے وقت جب کہ ہم ایک مخفی امر کی تلاش میں نہایت عمیق دریا میں اتر کر ہاتھ پیر مارتے ہیں تو ہم ایسی حالت میں بہ زبانِ حال اس اعلیٰ طاقت سے فیض طلب کرتے ہیں جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ غرض جبکہ ہماری روح ایک چیز کے طلب کرنے میں بڑی سرگرمی اور سوز وگداز کے ساتھ مبدء فیض کی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے اور اپنے تئیں عاجز پا کر فکر کے ذریعہ سے کسی اَور جگہ سے روشنی ڈھونڈتی ہے تو درحقیقت ہماری وہ حالت بھی دعا کی ایک حالت ہوتی ہے۔ اِسی دعا کے ذریعہ سے دنیا کی کُل حکمتیں ظاہر ہوئی ہیں اور ہر ایک بیت العلم کی کنجی دعا ہی ہے اور کوئی علم اور معرفت کا دقیقہ نہیں جو بغیر اس کے ظہور میں آیا ہو۔ ہمارا سوچنا، ہمارا فکر کرنا اور ہمارا طلب امرِ مخفی کے لئے خیال کو دوڑانا یہ سب امور دعا ہی میں داخل ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ عارفوں کی دعا آدابِ معرفت کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے اور ان کی روح مبدء فیض کو شناخت کر کے بصیرت کے ساتھ اُس کی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے اور محجوبوں کی دعا صرف ایک سرگردانی ہے جو فکر اور غور اور طلب اسباب کے رنگ میں ظاہر ہوتی ہے۔ وہ لوگ جن کو خدا تعالیٰ سے ربطِ معرفت نہیں اور نہ اس پر یقین ہے وہ بھی فکر اور غور کے وسیلہ سے یہی چاہتے ہیں کہ غیب سے کوئی کامیابی کی بات اُن کے دل میں پڑ جائے اور ایک عارف دعا کرنے والا بھی اپنے خدا سے یہی چاہتا ہے کہ کامیابی کی راہ اُس پر کھلے لیکن محجوب جو خدا تعالیٰ سے ربط نہیں رکھتا وہ مبدء فیض کو نہیں جانتا اور عارف کی طرح اس کی طبیعت بھی سرگردانی کے وقت ایک اَور جگہ سے مدد چاہتی ہے اور اسی مدد کے پانے کے لئے وہ فکر کرتا ہے۔ مگر عارف اس مبدء کو دیکھتا ہے اور یہ تاریکی میں چلتا ہے اور نہیں جانتا کہ جو کچھ فکر اور خوض کے بعد دل میں پڑتا ہے وہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ متفکر کے فکر کو بطور دعا قرار دے کر بطور قبول دعا اس علم کو فکر کرنے والے کے دل میں ڈالتا ہے۔ غرض جو حکمت اور معرفت کا نکتہ فکر کے ذریعہ سے دل میں پڑتا ہے وہ بھی خدا سے ہی آتا ہے اور فکر کرنے والا اگرچہ نہ سمجھے مگر خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ مجھ سے ہی مانگ رہا ہے۔ سو آخر وہ خدا سے اس مطلب کو پاتا ہے اور جیسا کہ مَیں نے ابھی بیان کیا ہے۔ یہ طریق طلب روشنی اگر علی وجہ البصیرت اور ہادی حقیقی کی شناخت کے ساتھ ہو تو یہ عارفانہ دعا ہے۔ اور اگر صرف فکر اور خوض کے ذریعہ سے یہ روشنی لامعلوم مبدء سے طلب کی جائے اور منوّرِ حقیقی کی ذات پر کامل نظر نہ ہو تو وہ محجوبانہ دعا ہے۔"

(ایام الصلح صفحہ 2 تا 3)

فرمودات امیرالمومنین حضرت
خلیفۃالمسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

''گذشتہ دنوں ہم رمضان کے مہینے سے گزرے ہیں۔ امید کرتا ہوں کہ کمزوروں میں بھی ان دنوں میں ایک خاص تبدیلی پیدا ہوئی ہوگی اور نمازوں کی طرف توجہ ہوئی ہوگی۔ اور جیسا کہ مساجد کی حاضری سے ثابت ہے کہ توجہ ہوئی ہے۔ پس اس توجہ کو اگر انصار سو فیصدی اپنی زندگیوں کا حصہ بنالیں تو ایک عظیم الشان پاک تبدیلی ہمیں جماعت کے اندر نظر آئے گی جس کے اثرات نہ صرف ہم اپنے اندر محسوس کر رہے ہوں گے بلکہ اپنے بیوی بچوں میں بھی محسوس کر رہے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے جب نماز پڑھنے کا حکم فرمایا تو یہ بھی اعلان فرمایا کہ اس ذریعہ سے ایک پاک انقلاب تمہارے اندر پیدا ہوگا۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ کوئی دعا یا ذکر بتائیں جس سے ہمارے اندر پاک تبدیلی پیدا ہو اور وہ پاک تبدیلی اگر پیدا ہو جائے تو پھر قائم بھی رہے۔ سب سے بڑی دعا اور سب سے بڑا ذکر نماز ہی ہے بشرطیکہ اس کا حق ادا کرتے ہوئے وہ ادا کی جائے۔ اس لئے حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: نماز عبادت کا مغز ہے۔ پس جس کو مغز مل جائے جس میں تمام قسم کی دعائیں آجاتی ہیں اور نہ صرف دعائیں آجاتی ہیں بلکہ انسان کی ہر طرح کی عاجزی اور انکساری اور کم مائیگی اور تضرّع کی وہ حالتیں بھی آجاتی ہیں جس سے ایک مومن خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے والا بن سکتا ہے تو اُس کو کسی دوسری قسم کے اذکار اور دعاؤں کی کیا ضرورت ہے؟

پس جب انصار اللہ کا نام اپنے ساتھ لگایا ہے تو سب سے پہلا اور بڑا اور اہم تقاضہ انصار اللہ بننے کا یہی ہے کہ اس کی عبادت کے معیار قائم کئے جائیں۔ جیسا کہ میں نے کہا انصار اللہ نے اپنے تعلق باللہ کے ساتھ ساتھ نوجوانوں اور بچوں کے لئے بھی نمونہ بننا ہے اور اگر انصار اللہ میں نمازوں کے بارے میں سستیاں ہوتی رہیں یا ان میں سے ایک بڑا حصہ سستی دکھاتا رہے یا اگر اکثریت نہ سہی مگر ایک حصہ سستی دکھاتا رہے تو جہاں وہ نماز کے اہم فریضہ پر توجہ نہ دے کر اپنے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق میں کمی کر رہے ہوں گے وہاں وہ ایک مذہبی فریضہ پر پوری طرح عمل نہ کر کے ایک ایسا جرم کر رہے ہوں گے جو مذہبی جرم ہے۔ نماز ایک ایسا اہم فریضہ ہے جس کا ادا کرنا بہت ضروری ہے۔ کلمہ طیّبہ پڑھنے کے بعد، اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کرنے کے بعد اور آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کے بعد نماز کے فریضہ کو اسلام کے سب سے اہم رکن کے طور پر رکھا گیا ہے۔ گویا کلمہ طیّبہ مسلمان ہونے کا زبانی اقرار ہے اور نماز اس کی عملی تصویر ہے۔ پس جب تک عمل نہ ہو زبانی دعوے کر کے ایک انسان مجرم بنتا ہے۔ ایک ملکی قانون کو تو انسان مان لیتا ہے لیکن اگر عمل اس کے الٹ کرے تو کیا یہ ملکی قانون توڑنے والا مجرم نہیں کہلائے گا۔ یقیناً انسان اس سے مجرم بنتا ہے تو اس طرح نماز کی ادائیگی نہ کرنے والا بھی مذہبی مجرم ہے اور پھر جب بچوں کی تربیت کی ذمہ داری بھی انصار پر ڈالی گئی ہے تو ان کے سامنے نیک نمونے قائم نہ کر کے اور پھر اس امانت کا حق ادا نہ کر کے ایسے لوگ قومی مجرم بن جاتے ہیں۔ اگر قوم میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو وہ ان لوگوں کے عمل کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جن کے سپرد یہ ذمہ داری لگائی ہوتی ہے۔ اگر ان کی نسل میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو ان کی نگرانی اور دعا میں کمی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ پس جب انصار یہ کہتے ہیں کہ الحمدللہ ہم مجلس انصار اللہ کے ممبر ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس مجلس کے ممبر ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں مددگاروں کی مجلس ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی توحید کے قیام اور آنحضرت ﷺ کا جھنڈا دنیا میں گاڑنے کے لئے ہر قسم کی عملی مدد کرنے کے لئے بھی تیار ہیں اور عملی مدد کا پہلا اور بنیادی قدم بلکہ ایسا قدم جسے خدا تعالیٰ نے فرائض میں شامل فرمایا ہے نماز ہے۔ اور عبادت کے یہی عملی نمونے جب گھروں میں قائم ہوتے ہیں، نماز کے قیام کی گھروں میں بات ہوتی ہے تو نئی نسل بھی اس کی اہمیت اپنے ذہنوں میں بٹھا لیتی ہے اور اس طرح ہم اپنی نسلوں کی تربیت انہی بنیادوں پر کر رہے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتائی ہیں اور یہ ایک بہت بڑا اہم کردار ہے جو خاموشی سے گھر کا سربراہ ادا کر رہا ہوتا ہے۔''

(مجلس انصار اللہ برطانیہ 2009ء سے خطاب)

تکذیبِ انبیاء اور عذابِ الٰہی

(ڈاکٹر شمیم احمد)

قرآنِ کریم میں تاریخ مذاہبِ عالم کا مطالعہ کرتے وقت چند امور بہت نمایاں طور پر دکھائی دیتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ انبیاء کی صداقت کے طور پر بیان فرماتا ہے۔ یہ امور ہر نبی کے دور میں ظاہر ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآن مجید میں بار بار دہرایا ہے تاکہ لوگ ان سے نصیحت حاصل کریں۔

(1) اوّل یہ کہ ہر نبی کے ساتھ استہزاء کیا گیا۔

(2) دوم یہ کہ نہ صرف استہزاء سے کام لیا گیا بلکہ انبیاء کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو شدید تکالیف پہنچائی گئیں۔

(3) تشدد ہمیشہ مخالفین کی طرف سے ظاہر ہوا، انبیاء یا ان کے ماننے والوں کی طرف سے کبھی تشدد کا مظاہرہ نہیں ہوا۔

(4) تکذیبِ انبیاء کے نتیجہ میں مخالفین کو جلد ہی عذاب نے پکڑ لیا۔

انبیاء کے ساتھ استہزاء

جب بھی خدا تعالیٰ نے کوئی مُرسل دنیا کی اصلاح کے لئے بھجوایا، اس کا نہ صرف انکار کیا گیا بلکہ اسے ہنسی مذاق اور استہزاء کا نشانہ بنایا گیا۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ ﴿یٰحَسْرَةً عَلَی الْعِبَادِ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ (سورۃ یٰسین 31) یعنی ہائے افسوس (انکار کی طرف مائل) بندوں پر کہ جب کبھی بھی اُن کے پاس کوئی رسول آتا ہے وہ اس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگ جاتے ہیں (اور تمسخر کرنے لگتے ہیں)۔ دعویٰ نبوت سے قبل ہر فرستادہ کو اس کی قوم عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور اسے قوم کی امیدوں کی آماجگاہ سمجھا جاتا ہے۔ انہیں قوم کا ہمدرد، مخلص، صدیق اور امین قرار دیا جاتا ہے اور ہر دل عزیز فرد سمجھا جاتا ہے۔ جیسے ہی انبیاء دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قوم کی اصلاح کے لئے چن لیا ہے وہ اپنی قوم کے لئے ایک قابلِ غضب وجود بن جاتے ہیں۔ وہی لوگ جو ان کی تعریف میں رطب اللّسان ہوتے ہیں انہیں جعلساز اور غلطی خوردہ قرار دینا شروع کر دیتے ہیں۔ لوگوں کی توجہ کا رخ بدلنے کے لئے انہیں مجنون اور ساحر قرار دیا جاتا ہے۔ ہر نبی نے ایسے وقت میں یہی دلیل پیش کی ہے کہ وہ دعویٰ نبوت سے قبل اپنی قوم کی آنکھوں کے سامنے پروان چڑھا ہے۔ اس کی قبل از بعثت کی زندگی میں کوئی داغ نظر نہیں آتا، وہ ہر لحاظ سے سچا اور امانت دار سمجھا گیا تھا تو کس طرح ممکن ہے کہ وہ یکلخت اپنی فطرت کے خلاف دروغ گو اور جعلساز بن جائے۔

انبیاء کو شدید تکالیف دی گئیں

دوم یہ کہ انبیاء کے ساتھ صرف ہنسی مذاق اور استہزاء نہیں کیا گیا بلکہ انبیاء اور ان پر ایمان لانے والوں کو تشدّد اور ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے۔ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے کئی انبیاء کی مثالیں دے کر بیان فرمایا کہ جب بھی کسی نبی نے اپنی قوم کو ہدایت اور نیکی کی طرف بلایا تو ان کے مخالفین نے انہیں ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں حضرت نوحؑ کے متعلق فرماتا ہے کہ جب اس پاک باز نبی نے اپنی قوم کو ہمارا پیغام پہنچایا تو ظالموں نے وہ پیغام سن کر کہا:

﴿لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِیْنَ﴾ (الشعراء 117)

اے نوح اگر تو باز نہ آیا تو تُو سنگسار کرنے والوں میں شامل ہو جائے گا یعنی ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے۔ اس کے بعد طوفانِ نوح تک انہیں لگا تار تحقیر و تمسخر کا نشانہ بنایا گیا۔ حضرت نوحؑ نے دن رات اپنی قوم کو ہدایت کی طرف بلانے کی کوشش کی مگر ان پر کسی بات کا اثر نہ ہوا۔

اس کے بعد قرآنِ مجید حضرت ابراہیم کا ذکر فرماتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے اپنی قوم کو راستی و سچائی کی تعلیم دی اور بت پرستی کی بجائے خدائے واحد کی پرستش کے لئے کہا تو ان کی قوم نے بھی انہیں حضرت نوح کی طرح سنگسار کرنے کی دھمکی دی۔

﴿لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا﴾ (مریم 47)

یعنی ان کے باپ اور سرداروں نے کہا اگر اپنے اس عقیدہ اور تبلیغ سے باز آ جاؤ تو ٹھیک ہے ورنہ ضرور سنگسار کر دیئے جاؤ گے۔ قوم کے سرداروں نے ہر طرف ان کے خلاف آگ بھڑکا دی اور ظاہری طور پر بھی انہیں جلتی ہوئی آگ میں ڈالنے کی سازش کی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے پیاروں کے ساتھ خاص سلوک ہوتا ہے کہ جب بھی ان کے خلاف آگ بھڑکائی جاتی ہے تو وہ بچانے کے لئے خود آ جاتا ہے اسی طرح حضرت ابراہیم کو بھی ہر قسم کی آگ سے بچا لیا گیا۔

یہی حال حضرت لوط اور حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ روا رکھا گیا اور ان پر ہر قسم کے ظلم ڈھائے گئے۔ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ دی گئیں تاکہ وہ اس پر سوار ہو کر فریضہ رسالت نہ ادا کر سکیں۔ حضرت صالح نے اپنی قوم کو بڑے واضح طور اس کے خلاف انذار فرمایا تھا مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اسی طرح حضرت شعیب کے مخالفین اور بڑے لوگوں نے انہیں اور ان کے ماننے والوں کو شہر بدر کرنے کی دھمکیاں دیتے ہوئے کہا: ﴿لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْیَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا﴾ (سورۃ الاعراف 89)

شعیب! ہم تجھ کو اور ان کو جو تجھ پر ایمان لائے ہیں اپنے ملک سے نکال دیں گے، یا پھر تم ہمارے مذہب میں واپس لوٹ آؤ۔ بصورتِ دیگر تمہیں اتنی تکالیف دی جائیں گی کہ زندگی تمہارے لئے اجیرن ہو کر رہ جائے گی۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ماننے والوں کو بھی فرعون نے شدید تشدد کا نشانہ بنایا۔ جس طرح گذشتہ انبیاء اور ان پر ایمان لانے والوں پر ظلم ڈھائے گئے تھے ان پر بھی مظالم ڈھائے گئے بلکہ ان سے بھی زیادہ۔ قرآن مجید میں قومِ موسیٰ کے متعلق ذکر ہے کہ فرعون نے اپنے اربابِ اقتدار کو حکم دیا کہ:
﴿ قَالُوْا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ﴾ (سورة المؤمن 26) یعنی ان کے بیٹوں کو ہلاک کر دو اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ماننے والوں کو ایسے ایسے مظالم کا نشانہ بنایا گیا جنہیں پڑھ کر جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ ایک معصوم نبی جس کی تعلیم نرمی اور عاجزانہ رویہ اختیار کرنا تھا اسے عملاً سولی پر چڑھا دیا گیا اور جان سے مار دینے کی کوشش کی گئی۔ حضرت عیسیٰ کے ماننے والوں کو تین صدیوں تک طرح طرح کے مظالم سہنے پڑے۔ انہیں وحشیانہ طور پر ہلاک کیا گیا اور بے شمار کو جنگلی درندوں کے سامنے پھینک دیا جاتا تا کہ وہ انہیں چیڑ پھاڑ کر رکھ دیں۔ سفاکی اور ظلم کی انتہا یہ تھی کہ قوم کے لئے یہ نظارے ایک تفریح کا سامان ہوتے تھے۔ ان پر ایسے ایسے وقت بھی آئے کہ اپنی ناموس اور جان کی حفاظت کے لئے اور ایمان کی سلامتی کے لئے کئی کئی سال زیرِ زمین رہ کر زندگی بسر کرنا پڑی۔

یہ تو وہ سلوک تھا جو ظالموں نے گذشتہ انبیاء اور ان کی قوموں کے ساتھ کیا۔ جب خدا تعالیٰ نے اپنی ابدی صداقتوں کے اظہار کے لئے اور دنیا کی ظلمت کو نورِ کامل سے منور کرنے کا فیصلہ کیا اور انبیاء کے سردار اور رسولوں کے فخر، سیّد ولدِ آدم کو دنیا میں بھیجا تو اسے بھی ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا۔ وہ جو راستی اور صداقت کا دیوتا اور امن کا شہزادہ تھا، اس پر بھی اور اس کی جانثار اور وفادار جماعت پر بھی ظلم توڑے گئے اور ایسے ایسے مظالم ڈھائے گئے کہ جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ انسان سفاکی و بربریت میں اتنا بھی بڑھ سکتا ہے کہ جنگلی درندے بھی ان کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ نبی کریم ﷺ کو طرح طرح کے دکھ دئے گئے۔ تین سال تک شعبِ ابی طالب میں محصور رکھا جہاں اپنے عزیزوں اور صحابہ کے دکھ سہنے پڑے۔ بھوک کی شدت سے بچوں کے بلکنے کی آوازیں کسی سنگدل کو رحم پر آمادہ نہ کر سکیں۔ عبادت کے دوران آپ کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی گئی اور ہر طرح کوشش کی گئی کہ آپ آزادانہ اپنے رب کی عبادت نہ کر سکیں۔ طائف کے اوباشوں نے آپؐ پر پتھر برسائے کہ طائف کی سرزمین پر دنیا کا مقدس ترین خون بہنے لگا۔

اسی طرح آپؐ کے غلاموں کو شدید ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا۔ حضرت بلالؓ بن رباح ایک حبشی غلام تھے۔ ان کو عرب کی تپتی ہوئی زمین پر لٹا دیا جاتا تھا اور ان کی چھاتی پر بھاری پتھر رکھ کر عذاب دیا جاتا تھا۔ بعد میں ان کے گلے میں رسہ ڈال کر انہیں مکہ کے اوباش اور آوارہ لونڈوں کے حوالہ کر دیا جاتا تھا جو انہیں مکہ کی گلیوں میں گھسیٹے پھرتے جس سے حضرت بلالؓ کا بدن لہولہان ہو جاتا۔ حضرت یاسر اور ان کی اہلیہ کو اتنی تکالیف دی جاتی تھیں کہ ان کی تفصیل پڑھ کر بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ حضرت یاسرؓ تو اسی عذاب کی حالت میں جان دے بیٹھے۔ ان کی اہلیہ حضرت سمیہؓ کی ران میں ایک ظالم نے نیزے کا ایسا وار کیا جو ان کے جسم کو کاٹتا ہوا نکل گیا اور اس بے گناہ خاتون نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ حضرت خباب بن الارتؓ لوہار کا کام کرتے تھے، قریشِ مکہ نے انہیں پکڑ کر ان کی بھٹی کے کوئلوں پر لٹا دیا اور اس طرح کوئلے جل کر ان کے نیچے ٹھنڈے ہو گئے۔ (بخاری جلد اوّل)

جنگِ احد کے بعد کا ایک نہایت دردناک واقعہ ہے کہ عضل اور قارۃ قبائل کے چند لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ان کے قبائل کے لوگ اسلام کی طرف مائل ہیں اس لئے ان کے ساتھ ایسے آدمی روانہ کئے جائیں جو انہیں اسلام کی تعلیم سے روشناس کروا سکیں۔ ان کی درخواست پر آپؐ نے دس صحابہ کو روانہ فرما دیا۔ اصل میں ان قبائل کے لوگوں کے ارادے بد تھے اور انہوں نے بنو لیحان کو اطلاع بھجوا دی جو دو سو سواروں اور تیر اندازوں کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ انہوں نے آٹھ صحابہ کو تو اسی وقت شہید کر دیا مگر دو صحابہ، حضرت خبیب بن عدی اور حضرت زید بن دثنہ کو اپنے ساتھ مکہ لے گئے اور وہاں دونوں کو شہید کر دیا گیا۔ جب حضرت زید بن دثنہؓ کو قتل کیا جانے لگا تو اس وقت مکہ کے رئیس ابوسفیان نے آگے بڑھ کر حضرت زید سے کہا ''سچ کہو کیا تمہارا دل نہیں چاہتا کہ اس وقت تمہاری جگہ ہمارے ہاتھوں میں محمدؐ ہوتا جسے ہم قتل کرتے اور تم بچ جاتے اور تم اپنے اہل وعیال میں خوشی کے دن گذارتے''۔ حضرت زید بن دثنہؓ نے ابوسفیان کو جو جواب دیا وہ نہ صرف ان کے انتہائے عشقِ رسول پر گواہ ہے بلکہ رہتی دنیا تک تاریخ اسلام میں سنہری حروف میں لکھا رہے گا اور ہر عاشقِ رسول حضرت زید کی روح پر سلام بھیجتا رہے گا۔ حضرت زید نے جواب دیا ''ابوسفیان تم یہ کیا کہتے ہو! ۔ خدا کی قسم میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میرے بچنے کے عوض رسول اللہ ﷺ کے پاؤں میں یک کانٹا بھی چبھے''۔ (بخاری)

اسی طرح چار ہجری میں قبائل رعل اور ذکوان کے کے لوگوں کی درخواست پر ستر صحابہ کی ایک جماعت ان کی تعلیم و تربیت کے لئے روانہ کی گئی۔ وہ سارے کے سارے قرآن خوان تھے۔ ان قبائلی لوگوں کا مقصد انہیں لے جا کر قتل کرنا تھا۔ ان قبائل کے لوگ ان بے گناہ، نہتے اور معصوم صحابہ پر حملہ آور ہوئے اور انہیں شہید کر دیا۔ ان میں سے صرف ایک صحابی بچ سکے۔ جب آنحضرت ﷺ کی خدمتِ اقدس میں یہ اطلاع پہنچی تو روایات کے مطابق آپؐ کو ایسا صدمہ نہ پہلے کبھی پہنچا تھا نہ بعد میں۔ (بخاری کتاب الجہاد)

آٹھ ہجری میں قبیلہ عکل اور عرینہ کے آٹھ آدمی مدینہ میں آئے اور اسلام قبول کر کے مدینہ میں قیام پذیر ہو گئے اور کچھ عرصہ کے بعد مدینہ سے باہر ایک چراہ گاہ میں منتقل ہو گئے۔ وہاں ایک دن انہوں نے اونٹوں کے رکھوالوں پر جو کہ مسلمان تھے حملہ کر کے انہیں ذبح کر دیا، ان کی زبانوں میں تیز کانٹے چبھو دئے تا کہ وہ آواز نہ نکال سکیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ ان کی آنکھوں میں گرم سلایاں بھی پھیر دیں۔ (بخاری کتاب المغازی)

تشدّد، خدا تعالیٰ سے لاتعلق ہونے کی نشانی

قرآن کریم سے یہ بات بڑی وضاحت سے ثابت ہوتی ہے کہ انبیاء اور ان کی جماعتوں پر ظلم ہمیشہ وہ لوگ کرتے ہیں جو راستی اور صداقت کے راستوں سے بہت دور جا پڑے ہوتے ہیں اور لا مذہب ہو چکے ہوتے ہیں۔ بظاہر وہ اپنے آپ کو کسی نہ کسی مذہب کی طرف منسوب تو کر رہے ہوتے ہیں مگر دراصل ان کا تعلق اس مذہب کی حقیقی تعلیم سے کٹ چکا ہوتا ہے اور ان کے دماغوں میں مذہب کا تصور مکمل طور پر بگڑ چکا ہوتا ہے۔ رحمت، شفقت، نرمی اور صبر ان کے دلوں اور روحوں سے مفقود ہو چکا ہوتا ہے اور سفا کی، سنگدلی اور بربریت ان کا ایمان بن چکا ہوتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ کسی کا تعلق خواہ کسی بھی مذہب کے ساتھ ہو اور وہ رحیم و کریم خدا پر ایمان رکھتا ہو اور وہ اس کی مخلوق پر بلا وجہ انتہا درجہ کی سفا کی اور درندگی کے ساتھ سلوک کرے۔ جو لوگ بھی الٰہی جماعتوں کے ساتھ سفا کانہ سلوک کرتے ہیں، خواہ وہ ماضی کے ہوں یا آج کے، ان کا تعلق خدا تعالیٰ کے ساتھ تو ہرگز نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ وابستگی اور اس کی مخلوق کے ساتھ سفا کانہ سلوک دو بالکل متضاد امور ہیں۔ درحقیقت ایسے لوگ خدا تعالیٰ کے تصور تک سے محروم ہوتے ہیں اور اخلاق گراوٹ کی انتہائی پستیوں میں گرے ہوئے ہوتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کے فرستادہ اور ان کے ماننے والے کبھی ظلم وستم کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ وہ ہمیشہ صبر وتحمل اور بڑی بردباری کے ساتھ تمام مصائب ومشکلات کے باوجود امن وآشتی کی تعلیم پھیلانے کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ قرآنِ کریم کے مطابق تمام انبیاء ان کے ماننے والے مظلوم ترین لوگ تھے جن پر شدید مظالم توڑے گئے مگر انہوں نے عظیم صبر واستقامت کے ساتھ ہر ظلم کو خدا تعالیٰ کی خاطر برداشت کیا۔ پہاڑوں جیسے مصائب کو دیکھ کر اور ان کے نیچے پس کر ان کی وفاداری اور اطاعت میں ذرّہ بھر بھی فرق نہ آیا۔ انتہائی کمزوری اور بے بسی کے عالم میں بھی اور طاقت کے عروج کے زمانہ میں بھی ان کا دامن ظلم سے پاک رہا۔ فتح مکہ کے موقعہ پر جو عظیم الشان طرزِ عمل آنحضرت ﷺ سے ظہور پذیر ہوا اس کی شان تاریخ عالم میں ملنی ناممکن ہے۔ اس روز جب کہ مکہ کے تمام سرداروں کی گردنیں آپؐ کے ہاتھ میں تھیں اور وہ کانپتے ہوئے جسموں کے ساتھ آپؐ کے قبضہء قدرت میں تھے، آپؐ نے **لا تثریب علیکم** کہہ کر انہیں معاف کر دیا۔ ان سرداروں میں وہ بھی شامل تھے جنہوں نے بڑی سنگدلی اور درندگی کے ساتھ مسلمانوں کے دل اور جگر چبا ڈالے تھے اور انہیں بھی معاف فرما دیا جنہوں نے مسلمانوں کو بربریت اور سفا کی کے ساتھ شہید کیا تھا۔

عذابِ الٰہی

چوتھی بات جو قرآن کریم نے بار بار مختلف پیراؤں میں بیان فرمائی ہے کہ جب بھی کسی قوم نے انبیاء اور ان کے متبعین کی مخالفت کی ہے اور نہ صرف انکار پر بضد رہے بلکہ ہر قسم کے استہزاء کے بعد ظلم وتشدد پر اتر آئے تو اس وقت خدا تعالیٰ کے عذاب نے انہیں پکڑ لیا۔ ہر نبی نے اپنی قوم کو خبردار کیا کہ تم ظلم وستم سے باز آجاؤ اور اگر توبہ واستغفار سے کام لو گے تو خدا تعالیٰ بہت رحیم وکریم ہے اور توبہ قبول کرنے والا ہے اور پھر مالوں اور اولادوں سے تمہاری مدد فرمائے گا۔ لیکن اگر ایسا نہ کیا اور انکار پر بضد رہے تو پھر تم خدا تعالیٰ کے عذاب کی گرفت سے بچ نہیں سکو گے اور زمین وآسمان میں تمہارے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی۔ تمام مادی اور طبعی قوانین خدا تعالیٰ کے زیرِ تصرّف اور مکمل قبضہء قدرت میں ہیں جنہیں وہ اپنی مشیت کے تحت معمولی سے تغیر کے ساتھ عذاب کی صورت میں تبدیل کر سکتا ہے اور مادی لحاظ سے طاقتور ترین دشمن کو ایک لحمہ میں خس وخاشاک میں تبدیل کر دیا کرتا ہے۔ قرآنِ مجید میں عذاب کی مختلف اقسام کا ذکر ملتا ہے۔

ایسے زلازل کا آنا جس کے نتیجہ میں زمین تہہ وبالا ہو کر رہ جائے اور انسانی آبادیاں یا تو زمین کے اندر دھنس کر رہ جائیں یا انسان مکانوں کے ملبہء میں دفن ہو کر رہ جائیں۔ حضرت شعیبؑ کی قوم کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْبِهِمْ فَسَوّٰهَا﴾ (سورۃ شمس 15)

کہ انہوں نے حضرت شعیبؑ کی بات نہ مانی اور انہیں جھٹلا دیا اور وہ اونٹنی جس سے بچنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں خاک میں ملانے کا فیصلہ کر لیا اور ایسی تدبیریں کیں کہ ویسا ہی ہو گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا تھا۔ قرآنِ کریم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شعیبؑ کی قوم کو پے درپے زلازل نے تباہ وبرباد کر کے رکھ دیا تھا۔

اس طرح حضرت لوطؑ کی قوم کے متعلق ذکر ملتا ہے کہ ان کے انکار اور سفا کی اور دیگر گناہوں کی پاداش کے نتیجہ میں ان پر عذاب پتھروں کی بارش کی صورت میں نازل ہوا تھا۔

﴿فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ﴾
(سورۃ الحجر 75)

اس پر لوط کی قوم کو موعود عذاب نے دن چڑھتے ہی پکڑ لیا جس پر ہم نے اس بستی کی اوپر والی سطح کو نچلی سطح کر دیا اور ان پر سنگریزوں سے بنے ہوئے پتھروں کی بارش کر دی۔ ایسا عذاب آتش فشاں پہاڑوں کے پھٹنے کے نتیجہ میں ظاہر ہوا کرتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو ان کے انکار اور استہزاء کی ایک اور رنگ میں سزا ملی جس کا ذکر نہ صرف قرآنِ مجید میں محفوظ رکھا گیا بلکہ دنیا کی ہر تاریخ میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ عذاب اتنا ہولناک تھا اور اس قدر وسیع سطح زمین پر محیط تھا کہ آج تک مختلف اقوام میں اس کا کثرت سے تذکرہ ملتا ہے۔ حضرت نوحؑ نے دن رات اپنی قوم کو تبلیغ کی اور مختلف طریق سے انہیں انذار کیا مگر ان کی قوم نے کسی بات کو ماننے سے انکار کر دیا بلکہ استہزاء میں بڑھتے چلے گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں شدید بارشوں کے بعد ایک ہولناک عذاب کے ساتھ غرقاب کر دیا

﴿ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَاءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝ وَّفَجَّرْنَا الْاَرضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰٓى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝﴾ (سورۃ القمر آیات 13-12)

جس پر ہم نے بادل کے دروازے ایک جوش سے بہنے والے پانی سے کھول دئے اور زمین میں بھی ہم نے چشمے پھوڑ دئے۔ پس زمین وآسمان کا پانی ایک ایسی

بات کے لئے اکٹھا ہو گیا جس کا فیصلہ ہو چکا تھا۔
بعض دفعہ خدا تعالیٰ خوفناک آندھیوں کے ذریعہ عذاب دیا کرتا ہے کہ انسانی اجسام ٹوٹے ہوئے درختوں کی طرح جابجا بکھرے ہوئے نظر آئیں۔ اللہ تعالیٰ عاد قوم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔
﴿كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَ نُذُرِ o اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ o (سورۃ القمر 20-19)
عاد قوم نے بھی اپنے رسول کا انکار کیا تھا پھر دیکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔ ہم نے ان پر ایک ایسی ہوا بھیجی جو تیز چلنے والی تھی اور ایک دیر تک رہنے والے منحوس وقت میں چلائی گئی تھی وہ لوگوں کو اس طرح اکھیڑ پھینکتی تھی گویا وہ کھجور کے ایسے تنے ہیں جن کے اندر کا گودا کھایا ہوا تھا۔
اسی طرح دوسری قوموں کا ذکر ملتا ہے کہ انہیں کبھی طویل خشک سالی اور کبھی قحط کا ساتھ، کبھی پرندوں کے ساتھ اور کبھی بیماریوں کے نتیجہ میں اور کبھی جنگوں کے ذریعہ ظالموں کو پکڑ کر ان کے گھناؤنے اعمال کی پاداش میں ایسے تباہ و برباد کر دیا کہ ان کے نام و نشان تک مٹا دیئے گئے۔ صرف ان کا ذکر سامانِ عبرت کے لئے محفوظ رکھا گیا۔
یہ درست ہے کہ خدا تعالیٰ شکور اور غفور، رحمٰن اور رحیم اور کریم بھی ہے مگر اس کے ساتھ جبار اور قہار ہونا بھی اس کی صفات میں داخل ہے۔ جب بھی اس کے فرستادوں کی تحقیر اور تضحیک کی گئی اور ان کے مقابلہ میں ظلم کی راہ اختیار کی گئی اس نے بڑے زور آور حملوں کے ساتھ اپنے رسولوں کی مدد کی تاکہ دنیا پر ان کی سچائی ظاہر ہو۔
اس زمانہ میں بھی خدا تعالیٰ نے اپنا ایک پیغامبر بھجوایا ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ کی پیش گوئیوں میں مذکور تھا، وہ عین ان کے مطابق ظاہر ہوا۔ اس نے اپنے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ کے نائب اور بروز ہونے کا دعویٰ کیا کہ وہ وہی مسیح اور امام مہدی ہے، جس کی آمد کا پندرہ سو سال قبل وعدہ دیا گیا تھا تاکہ اسلام کو پھر وہی شان و شوکت اور عظمت حاصل ہو جو دورِ اوّل میں تھی۔ وہ اپنے ساتھ چمکتے ہوئے روشن دلائل و براہین لے کر ظاہر ہوا، زمین اور آسمان میں اس کی تائید میں الٰہی نشانات ظہور پذیر ہوئے مگر قوم نے اسے قدر و توقیر کی نگاہ سے نہ دیکھا اور اکثر نے اسے جھٹلا دیا۔ نہ صرف اسے جھٹلایا گیا بلکہ اسے استہزاء کا نشانہ بنایا گیا اور طرح طرح کے دکھ دیئے گئے۔ اس کی وفادار جماعت پر ہر قسم کا ظلم روا رکھا گیا اور بعض کو سفاکی کے ساتھ سنگسار کر دیا گیا اور کئی بے گناہوں کو درندگی کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔ ہر ظلم کے بعد خدا تعالیٰ نے اپنی صفتِ جباریت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ظالموں کو عبرت ناک انداز میں پکڑ لیا مگر قوم کی بصیرت پر کچھ ایسا پردہ پڑ چکا ہے کہ وہ فکر و تدبر سے کام لینے کی بجائے استکبار میں بڑھتی چلی جا رہی ہے۔
امام الزماں سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے بار بار مختلف طریق سے اپنی قوم کو انذار کیا۔ آپؑ فرماتے ہیں:
''یاد رہے کہ خدا نے مجھے عام طور پر زلزلوں کی خبر دی ہے۔ پس یقیناً سمجھو کہ جیسا کہ پیشگوئی کے مطابق امریکہ میں زلزلے آئے ایسا ہی یورپ میں بھی آئے اور نیز ایشیا کے مختلف مقامات میں آئیں گے اور بعض ان میں قیامت کا نمونہ ہوں گے اور اس قدر موت ہوگی کہ خون کی نہریں چلیں گی، اس موت سے پرند چرند بھی باہر نہیں ہوں گے اور زمین پر اس قدر تباہی آئے گی کہ اس روز سے کہ انسان پیدا ہوا ایسی تباہی کبھی نہیں آئی ہوگی اور اکثر مقامات زیر و زبر ہو جائیں گے کہ گویا ان میں کبھی آبادی نہ تھی اور اس کے ساتھ اور بھی آفات زمین و آسمان میں ہولناک صورت میں پیدا ہوں گی۔ یہاں تک کہ ہر ایک عقلمند کی نظر میں وہ باتیں غیر معمولی ہو جائیں گی اور ہیئت اور فلسفہ کی کتابوں کے کسی صفحہ میں ان کا پتہ نہیں ملے گا۔ تب انسانوں میں اضطراب پیدا ہوگا کہ یہ کیا ہونے والا ہے اور بہتیرے نجات پائیں گے اور بہتیرے ہلاک ہو جائیں گے۔'' (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 269-268)
پھر فرمایا: ''خدا تعالیٰ نے مجھے صرف یہی خبر نہیں دی کہ پنجاب میں زلزلے وغیرہ آفات آئیں گی، کیونکہ میں صرف پنجاب کے لئے مبعوث نہیں ہوا بلکہ جہاں تک دنیا کی آبادی ہے ان سب کی اصلاح کے لئے مامور ہوں۔ پس میں سچ سچ کہتا ہوں کہ یہ آفتیں اور یہ زلزلے صرف پنجاب سے مخصوص نہیں ہیں بلکہ تمام دنیا ان آفات سے حصہ لے گی اور جیسا کہ امریکہ وغیرہ کے بہت حصے تباہ ہو چکے ہیں یہی گھڑی کسی دن یورپ کے لئے درپیش ہے اور پھر یہ ہولناک دن پنجاب اور ہندوستان اور ہر ایک حصہ ایشیا کے لئے مقدر ہے۔ جو شخص زندہ رہے گا دیکھ لے گا۔'' (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 200 حاشیہ)
سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:
''یاد رہے کہ مسیح موعود کے وقت موتوں کی کثرت ضروری تھی اور زلزلوں اور طاعون کا آنا ایک مقدر امر تھا۔ یہی معنے اس حدیث کے ہیں کہ جو لکھا ہے کہ مسیح موعود کے دم سے لوگ مریں گے اور جہاں تک مسیح کی نظر جائے گی اس کا قاتلانہ دم اثر کرے گا۔ پس یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس حدیث میں مسیح موعود کو ایک ڈائن قرار دیا گیا ہے جو نظر کے ساتھ ہر ایک کلیجہ نکالے گا بلکہ معنے حدیث کے یہ ہیں کہ اس کے نفحاتِ طیّبات یعنی کلمات اس کے جہاں تک زمین پر شائع ہوں گے تو چونکہ لوگ اس کا انکار کریں گے اور تکذیب سے پیش آئیں گے اور گالیاں دیں گے اس لئے وہ انکار موجبِ عذاب ہو جائے گا۔ یہ حدیث بتلا رہی ہے کہ مسیح موعود کا سخت انکار ہوگا جس کی وجہ سے ملک میں مری پڑے گی اور سخت زلزلے آئیں گے اور امن اٹھ جائے گا۔ ورنہ یہ غیر معقول بات ہے کہ خواہ نخواہ نیکوکار اور نیک چلن آدمیوں پر طرح طرح کے عذاب کی قیامت آوے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے زمانوں میں بھی نادان لوگوں نے ہر ایک نبی کو منحوس قدم سمجھا ہے اور اپنی شامتِ اعمال ان پر تھوپ دی مگر اصل بات یہ ہے کہ نبی عذاب کو نہیں لاتا بلکہ عذاب کا مستحق ہو جانا اتمامِ حجت کیلئے نبی کو لاتا ہے اور اس کے قائم ہونے کے لئے ضرورت پیدا کرتا ہے اور سخت عذاب بغیر نبی کے قائم ہونے کے آتا ہی نہیں، جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ و ما کنا معذبین حتی نبعث رسولا پھر یہ کیا بات ہے کہ ایک طرف تو طاعون ملک کو کھا رہی ہے اور دوسری طرف ہیبت ناک زلزلے پیچھا نہیں چھوڑتے؟ اے غافلو تلاش تو کرو شاید تم میں خدا کی طرف سے کوئی نبی قائم ہو گیا ہے جس کی تم تکذیب کر رہے ہو...... بغیر قائم ہونے کسی مُرسل الٰہی کے یہ وبال تم پر کیوں آ گیا جو ہر سال تمہارے دوستوں کو تم سے جدا کرتا اور تمہارے پیاروں کو تم سے علیحدہ کر کے داغ جدائی تمہارے دلوں پر لگاتا ہے۔ آخر کچھ بات تو ہے کیوں تلاش نہیں کرتے۔'' (تجلیاتِ الٰہیہ، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 401-399)

قرآن مجید کی عظمت

(مبارک احمد شاہد)

قرآن مجید کے شروع ہی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ذالک الکتاب لاریب فیہ: یہی کامل کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اس کی عظمت تو اسی بات سے ظاہر ہو جاتی ہے اور یہ محفوظ بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بارہ میں خود فرماتا ہے کہ ہم نے قرآنِ مجید کو اُتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں پھر اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید میں فرماتا ہے ''ترجمہ'' رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس کے بارہ میں قرآنِ مجید نازل کیا گیا وہ (قرآن) جو تمام انسانوں کیلئے ہدایت بنا کر بھیجا گیا اور جو کھلے دلائل اپنے اندر رکھتا ہے (ایسے دلائل) جو ہدایت پیدا کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی (قرآن میں) الٰہی نشانات بھی ہیں (سورۃ البقرہ آیت 186) اس سے ثابت ہوا کہ رمضان کا مہینہ بھی عزت والا ہے اور قرآنِ مجید کا نزول بھی اسی مہینہ میں شروع ہوا۔ ھد للناس وبینٰت من الھدی کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

''چونکہ ھدی اور بینت دونوں قرآن کریم کا حال ہیں اس لئے اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ قرآن ایسا ہے کہ اوّل تو وہ ھدی ہے یعنی لوگوں کے لئے ہدایت کا موجب ہے دوم اس میں ہدایت کے دلائل ہیں یعنی وہ یونہی لوگوں کو نہیں کہتا کہ ایسا کرو اور ایسا نہ کرو بلکہ وہ دلائل بھی دیتا ہے اور للناس کا لفظ رکھ کر بتایا کہ یہ تمام دنیا کے لوگوں کے لئے ہدایت کا موجب ہے صرف بعض لوگوں کے لئے نہیں۔ والفرقان اور پھر اس میں ایسے دلائل ہیں جو حق اور باطل میں امتیاز کرتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر چیز کے لئے کوئی شرافت اور افتخار ہوتا ہے جس سے وہ تفاخر کیا کرتا ہے میری اُمت کی رونق اور افتخار قرآنِ شریف ہے۔ یعنی لوگ اپنے آباؤ اجداد سے خاندان سے اور اسی طرح بہت سی چیزوں سے اپنی شرافت اور بڑائی ظاہر کرتے ہیں مگر اپنی اُمت کیلئے ذریعہ افتخار حضور اکرم ﷺ نے کلام اللہ کو کہا۔ کیونکہ اس کا مقابلہ قیامت تک کوئی دوسری کتاب نہیں کر سکتی نیز دنیا کے جتنے بھی کمالات ہیں سب زائل ہونے والے ہیں لیکن کلام پاک کا شرف و کمال دائمی ہے اور کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا کوئی نبی ایسا نہیں مگر جتنے لوگ اس پر ایمان لائے ان کے مطابق ہی اُسے معجزے دیے گئے اور جو چیز (بطور معجزہ) مجھے دی گئی وہ وحی قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف فرمائی پس مجھے امید ہے کہ قیامت کے روز میرے پیرو کار سب سے زیادہ ہونگے۔ (صحیح بخاری۔ کتاب التفسیر)

قرآن کریم کو ہر کلام پر فضیلت ہے

حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''اس مومن کی مثال جو قرآن کریم پڑھتا ہے سنگترے جیسی ہے کہ جس کا ذائقہ اچھا ہو اور خوشبو بھی اچھی ہو اور جو (مومن) قرآنِ مجید نہ پڑھے وہ کھجور کی مانند ہے کہ اس کا ذائقہ اچھا لیکن خوشبو نہیں ہوتی''۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر)

حضرت مسیح موعودؑ قرآن کے عاشق تھے اور قرآن مجید کا علم اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو سکھایا آپ کی کتب قرآنِ مجید کی عظمت کے بارے میں جو علم خدا تعالیٰ نے آپ کو دیا وہ ہر پڑھنے والے کو نظر آتا ہے۔ قرآنِ مجید کی عظمت کے بارے میں حضورؑ کی تعلیم یہ ہے۔ قرآنِ مجید ایسی کتاب ہے جس میں ساری کتابیں اور ساری صداقتیں موجود ہیں، قرآنِ شریف حکمتوں اور معارف کا جامع ہے اور رطب و یابس فضولیات کا کوئی ذخیرہ اپنے اندر نہیں رکھتا۔ ہر ایک امر کی تفسیر وہ خود کرتا ہے اور ہر ایک قسم کی ضرورتوں کا سامان اس کے اندر موجود ہے وہ ہر ایک پہلو سے نشان اور آیت ہے۔ الغرض قرآنِ کریم ایک ایسی کتاب ہے جس میں ہر ایک قسم کے معارف اور اسرار موجود ہیں۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ 52)

پھر آپ فرماتے ہیں یاد رکھو کہ قرآنِ شریف وہ عظیم الشان حربہ ہے کہ اس کے سامنے کسی باطل کو قائم رہنے کی ہمت ہی نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ کہ کوئی باطل پرست ہمارے سامنے اور ہماری جماعت کے سامنے نہیں ٹھہرتا اور گفتگو سے انکار کر دیتا ہے۔ یہ آسمانی ہتھیار ہے جو کبھی کند نہیں ہو سکتا۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 18)

تمام فیضوں کا سرچشمہ قرآن ہے، نہ انجیل نہ تورات۔ جو قرآن کو چھوڑ کر ان کی طرف جھکتا ہے وہ مرتد ہے اور کافر ہے۔ مگر جو قرآن کی طرف جھکتا ہے وہ مسلمان ہے۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ 208)

آپؑ فرماتے ہیں: میں نے قرآن کے لفظ پر غور کیا، تب مجھ پر کھلا کہ اس مبارک لفظ میں ایک زبردست پیشگوئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ یہی قرآن یعنی پڑھنے کے لائق کتاب ہے اور ایک زمانہ میں تو اور بھی زیادہ پڑھنے کے قابل کتاب ہوگی۔ جبکہ اور کتابیں بھی پڑھنے میں اُس کے ساتھ شریک کی جائیں گی اُس وقت اسلام کی عزت بچانے کے لئے اور بطلان کا استیصال کرنے کے لئے یہی ایک کتاب پڑھنے کے قابل ہوگی اور دیگر کتابیں قطعاً چھوڑ دینے کے لائق ہوں گی ...... پھر فرمایا، اس لئے سب کتابیں چھوڑ دو اور رات دن کتاب اللہ کو پڑھو۔ بڑا بے ایمان ہے وہ شخص جو قرآن کریم کی طرف التفات نہ کرے اور دوسری کتابوں پر ہی رات دن جھکا رہے۔ ہماری جماعت کو چاہئے کہ قرآن کریم کے شغل اور تدبر میں جان و دل سے مصروف ہو جائیں اور حدیثوں کے شغل کو ترک کریں۔ پھر فرمایا ''اس وقت قرآن کریم کا حربہ ہاتھ میں لو تو تمہاری فتح ہے۔ اس نور کے آگے کوئی ظلمت ٹھہر نہ سکے گی۔ (ملفوظات۔ روحانی خزائن صفحہ 122 جلد نمبر 2)

قرآن کریم کُل دنیا کی صداقتوں کا مجموعہ ہے اور سب دین کی کتابوں کا فخر ہے۔ (ملفوظات۔ روحانی خزائن صفحہ 126 جلد 2)

قرآن شریف کے انوار و برکات اور اس کی تاثیرات ہمیشہ زندہ اور تازہ بتازہ

ہیں چنانچہ میں اس وقت اسی ثبوت کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ (ملفوظات۔روحانی خزائن صفحہ 116 جلد 8)

یہ ایک ناپیدا کنار سمندر ہے۔اپنے حقائق اور معارف کے لحاظ سے اور اپنی فصاحت و بلاغت کے رنگ میں۔اگر بشر کا کلام ہوتا تو سطحی خیالات کا نمونہ دکھایا جاتا مگر یہ طرز ہی اور ہے جو بشری طرزوں سے الگ اور ممتاز ہے اس میں باوجود اعلیٰ درجہ کی بلند پروازی کے نمود و نمائش بالکل نہیں۔ (روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 122,123)

'' یہ تعلیم جو قرآن شریف نے دی ہے کسی اور کتاب نے نہیں دی اور ایسی کامل ہے کہ کوئی نظیر اس کی پیش نہیں کرسکتا''۔ (ملفوظات۔روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 250)

'' یہی وجہ ہے کہ قرآنِ شریف جو علوم لے کر آیا ہے وہ دنیا کی کسی اور کتاب میں پائے نہیں جاتے۔توریت میں کسی علوم کا ذکر نہیں اور انجیل میں نشان تک بھی نہیں پایا جاتا۔قرآنِ کریم کی عظمت کے بڑے بڑے دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ اس میں عظیم الشان علوم ہیں جو توریت و انجیل میں تلاش کرنے ہی عبث ہیں اور ایک چھوٹے اور بڑے درجہ کا آدمی اپنے اپنے فہم کے موافق ان سے حصہ لے سکتا ہے توریت کو دیکھو کہ ہستی باری تعالیٰ اور قیامت کے متعلق ایک بھی فقرہ اس میں نہیں۔ادھر قرآنِ شریف کو دیکھو کہ ہستی باری تعالیٰ اور قیامت کے کیسے دلائل بھرے ہوئے ہیں۔اور پھر عقلی اور نقلی دونوں طرح کے ثبوت ہیں۔قرونِ اُولیٰ میں صرف نقل ہی نقل تھی۔پھر یہود و نصاریٰ، آریہ، برہمو، نیچری غرض سب فرقوں کا رد اس میں موجود ہے۔غرض قرآنِ مجید ایک اکمل اور اتم کتاب ہے۔اللہ تعالیٰ نے جب دیکھا کہ خلقت میں علوم حاصل کرنے کے دماغ موجود ہوگئے ہیں تا اس نے قرآن جیسی کتاب بھیج دی''۔ (ملفوظات۔روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 381)

پس قرآنِ مجید تمام کتابوں کا سردار ہے جس کے اندر تمام دینی اور دنیاوی علوم موجود ہیں یہ انسانوں کے لئے مکمل ضابطہ حیات ہے اور زندگی کے ہر موڑ پر رشد و ہدایت کا سامان فراہم کرتا ہے اور اپنے دامن میں انسانوں کی ترقی و کامرانی کے راز لئے ہوئے ہے،شرط یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔حضرت رسولِ کریم ﷺ جن پر قرآن نازل ہوا اُنہوں نے اس پر عمل کر کے دکھایا اور صحابہ رضوان اللہ علیہم نے بھی حضرت رسولِ کریمؐ کی پیروی کرتے ہوئے قرآن مجید سیکھنے میں جدوجہد کی اور پھر اس پر عمل کر کے دکھا دیئے کیونکہ قرآنِ مجید جس طرح خود عظیم کتاب ہے اپنے ماننے والوں اور عمل کرنے والوں کو بھی عظمت کا سبق دیتا ہے اور عمل کرنے والوں کو عظیم بننے کی خوشخبری دیتا ہے۔صحابہ کرامؓ نے عمل کرتے ہوئے اُس وقت کی عظیم سلطنتوں کسریٰ و قیصر کو فتح کیا اور وہاں توحید کی تعلیم کو رائج کیا حالانکہ اس وقت مسلمانوں کے پاس دنیاوی ساز و سامان نہ ہونے کے برابر تھا۔مگر وہ قرآن پاک کی دی ہوئی عظیم تعلیم پر عمل پیرا تھے جیسا کہ قرآنِ مجید میں ہے کہ و لا تھنوا ولاتحزنوا و انتم الاعلون ان کنتم مومنین ط (ال عمران،140) ترجمہ اور تم کمزوری نہ دکھاؤ،اور نہ غم کرو،اگر تم مومن ہو تم ہی بالا رہو گے۔صحابہؓ میں قرآنِ مجید کی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے ایمان کی قوت موجود تھی اس لئے وہ اُس وقت کی عظیم سلطنتوں پر غالب آگئے،مگر جب بعد میں آنے والوں نے اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا تو ذلیل و خوار ہوگئے۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

یہ قرآن شریف کا اعجاز ہے کہ اس میں سارے الفاظ ایسے موتی کی طرح پروئے گئے ہیں اور اپنے اپنے مقام پر رکھے گئے ہیں کہ کوئی ایک جگہ سے اُٹھا کر دوسری جگہ نہیں رکھا جاسکتا اور کسی کو دوسرے لفظ سے بدلا نہیں جاسکتا۔ (روحانی خزائن صفحہ،ملفوظات جلد 10۔صفحہ 173)

'' خدا تعالیٰ خوب جانتا تھا کہ اس زمانے میں کیسے کیسے جدید علوم پیدا ہوں گے اور خود مسلمانوں میں کیسے کیسے خیالات کے لوگ پیدا ہو جائیں گے ان سب باتوں کا جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دے رکھا ہے اور کوئی نئی تحقیقات یا علمی ترقی نہیں جو قرآن شریف کو مغلوب کرسکے اور کوئی صداقت نہیں کہ اب پیدا ہوگئی ہو اور وہ قرآن شریف میں پہلے سے موجود نہ ہو'' (روحانی خزائن صفحہ 400 جلد 10 ملفوظات)

'' انسانی فطرت کا پورا اور کامل عکس صرف قرآنِ شریف ہی ہے،اگر قرآن نہ بھی آیا ہوتا جب بھی اسی تعلیم کے مطابق انسان سے سوال کیا جاتا کیونکہ یہ ایسی تعلیم ہے جو فطرتوں میں مرکوز اور قانونِ قدرت کے ہر صفحہ میں مشہود ہے۔جن کی تعلیمات ناقص اور خاص قوم تک محدود ہیں،اور وہ آگے ایک قدم بھی نہیں چل سکتیں،ان کی نبوت کا دروازہ بھی ان کے اپنے ہی گھر تک محدود ہے۔مگر قرآن شریف کہتا ہے ان من امة الاخلا فِيْهَا نذير (سورۃ فاطر۔25) دیکھو یہ کیسی پاک اور دل میں دخل کر جانے والی بات اور کیسا سچا اصول ہے مگر یہ لوگ ہیں کہ خدا کی خدائی کو صرف اپنے ہی گھر تک محدود خیال کرتے ہیں۔ (روحانی خزائن صفحہ 404 جلد 10 ملفوظات)۔

قرآن مجید کی جتنی عظمت ہے اُتنا ہی ہم پر فرض بنتا ہے کہ آج ہم احمدی اس کی عظمت کو اپنے دلوں میں بسائیں،اس کی تعلیمات پر عمل کریں۔اس کی تلاوت روزانہ باقاعدگی سے کریں اور قرآن مجید کا جتنا حصہ بھی زبانی یاد کرسکتے ہیں کریں، کیونکہ حضرت رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس شخص کے قلب میں قرآن شریف کا کوئی حصہ محفوظ نہیں وہ بمنزلہ ویران گھر کے ہے۔اور قرآن مجید کے پڑھنے یاد کرنے اور خوش الحانی سے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی سکینت نازل ہوتی ہے اور اللہ کی رحمت پڑھنے والوں کو ڈھانپ لیتی ہے۔

قرآنِ شریف کی عظمت اتنی ہے تو آج ہمارا فرض بھی بنتا ہے کہ قرآن مجید کو اچھی طرح سیکھیں،روزانہ تلاوت کریں اور اس پر عمل کریں کیونکہ حضرت رسولِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ قرآن شریف کو سیکھو پھر اس کو پڑھو،اسلئے کہ جو شخص قرآن شریف سیکھتا ہے اور پڑھتا ہے تہجد میں پڑھتا رہتا ہے اس کی مثال اس تھیلی کی سی ہے جو مشک سے بھری ہوئی ہو کہ اس کی خوشبو تمام مکان میں پھیلتی ہے اور جس شخص نے سیکھا پھر سو گیا اس کی مثال اس مشک کی تھیلی کی ہے جس کا منہ بند کردیا گیا ہو۔ (الترمذی،انسائی وابن ماجہ)

آخر میں حضرت مسیح موعودؑ کے فرمان پر اس مضمون کا اختتام ہوتا ہے۔آپ علیہ السلام فرماتے ہیں: ''رسم اور بدعات سے پرہیز بہتر ہے اس سے رفتہ رفتہ

(بقیہ صفحہ 22 پر جاری ہے)

حضرت شیخ فضل احمد صاحب بٹالوی رضی اللہ عنہ

حضرت شیخ فضل احمد صاحبؓ زیرک اور دلیر طبع، جانبازی کی حد تک تبلیغ کے شائق تھے۔ خصوصاً بنوں اور لاہور میں اس بارے میں خاص مساعی کیں۔ اپنے انگریز افسران اور مسلم، ہندو وغیرہ عوام کو بھی پیغام احمدیت پہنچانے کا شغف تھا۔ لاہور میں آپؓ سیکرٹری تبلیغ رہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی مجالس میں بکثرت بیٹھنے کے باعث حضور کی سیرت کے متعلق انمول باتیں کیں۔ خلافت اولیٰ ہی سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سے گہرا رابطہ تھا۔ آپ کی قائم کردہ مجلس انصار اللہ میں شامل ہوئے۔ اور اس کے بہ تردید غیر مبایعین ٹریکٹوں میں آپ کا نام شامل تھا۔ قیامِ خلافت ثانیہ پر غیر مبایعین کے سربراہ مولوی محمد علی صاحب کے خسر اور دست راست ڈاکٹر بشارت احمد صاحب راولپنڈی میں تھے۔ آپ نے ان کا اور ان کے رفقاء کا کامیاب مقابلہ کیا اور متعدد افراد کو مبائع بنایا۔ لاہور میں مولوی محمد علی صاحب کے ایک اور دستِ راست ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کا گفتگو میں ناطقہ بند کر دیا۔ مجلس مشاورت میں کئی بار شریک ہوئے۔ ارتدادِ ملکانہ کے وقت آپ نے وہاں بھی خدمت کی اور ایک خاص فریضہ سپرد ہونے پر آپ نے براہ راست حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے تحت کام کیا۔ انفاق فی سبیل اللہ کی توفیق پائی۔ چندہ منارۃ المسیح میں شرکت کے باعث آپؓ اور آپؓ کی زوجہ اوّل کے اسماء اس پر کندہ ہیں۔ آپ دفتر اوّل کے تحریک جدید کے مجاہد ہیں۔ وقفِ جدید کے چندہ میں حصّہ لیتے رہے۔ ارتداد ملکانہ کے موقعہ پر ممتاز مالی خدمت کی۔ بعد پنشن مراکز سلسلہ میں وقفِ زندگی کی پیش کش کی اور اراضیات سندھ اور دفتر امانت کے تعلق میں آپ نے خدمات کیں۔ خصوصاً بعد تقسیم برصغیر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ارشاد پر صیغہ امانت صدر انجمن احمدیہ میں جو لاکھوں روپیہ اور زیورات وغیرہ کی امانتیں تھیں، حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کی ہدایت پر آپ خاص تائید و نصرت الٰہی سے قادیان سے لاہور لے جانے میں کامیاب ہوئے۔ خلفاء سلسلہ اور ابناء حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علاوہ بزرگان سلسلہ کے ساتھ آپ کے گہرے مراسم تھے۔ 30 اگست 1968ء کو ربوہ میں بعمر چوراسی سال وفات پائی اور قطعہ صحابہ میں دفن ہوئے۔ آپؓ کے حالات زندگی ''اصحاب احمد'' جلد سوم میں بیان ہوئے ہیں۔ جن میں سے بعض امور خلاصۃً ہدیۂ قارئین کئے جا رہے ہیں۔

(تلخیص و ترتیب: محمود احمد ملک)

حضرت شیخ فضل احمد صاحب بٹالوی رضی اللہ عنہ 1883ء میں محترم شیخ علی بخش صاحب کے ہاں بٹالہ ضلع گورداسپور میں پیدا ہوئے۔ آپ کی پہلی والدہ کے ہاں صرف لڑکیاں ہی تھیں اور آپ کی والدہ کے ہاں بھی پہلی لڑکی ہی ہوئی۔ اس پر آپؓ کے والد نے اپنے مرشد کی خدمت میں اولاد نرینہ کے لئے درخواست دعا کی۔ بعد دعا مرشد موصوف نے بتلایا کہ تمہیں ایسا لڑکا ملے گا جو بڑی عزت اور برکت پائے گا۔ حضرت شیخ صاحبؓ کو یقین تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت غلامی سے آپؓ کو یہ عزت اور برکت حاصل ہوئی ہے۔

آپؓ چھ سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ابتدائی تعلیم بٹالہ سے حاصل کی۔ میٹرک 1901ء میں پرائیویٹ طور پر کیا۔ پھر مختلف شہروں میں ملازمتیں کرتے ہوئے 1905ء میں انبالہ چھاؤنی میں ملازم ہو گئے۔ جب آپ نے جوانی میں قدم رکھا تو ماحول میں عیسائیت کی یلغار نظر آئی۔ ملازمت اور دیگر لالچ دے کر عیسائیت میں داخل کیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ ایک مسجد کے امام مولوی قدرت اللہ صاحب نے بھی عیسائیت قبول کر لی جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کوشش سے دوبارہ قبول اسلام کی توفیق ملی۔ چنانچہ آپؓ عیسائیت سے بچنے کے لئے بہت دعا کیا کرتے تھے۔

زیارت اور قبول احمدیت

آپ نے بچپن میں ایک دفعہ بٹالہ میں حضرت مسیح موعودؑ کی زیارت کی تھی۔

جب 1904ء میں آپؓ فوج کی ملازمت میں لاہور میں متعین تھے تو حضرت ڈاکٹر محمد طفیل صاحبؓ نے آپ کو رسالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' کا کوئی پرچہ پڑھنے کے لئے دیا تھا۔ جسے پڑھ کر آپ نے رسالہ اپنے نام جاری کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا۔ اس پر حضور علیہ السلام نے گزشتہ سارے پرچے آپ کو بھجوا دیئے جن کا مطالعہ کر کے آپؓ نے بیعت کا خط لکھ دیا۔ بیعت کے بعد آپؓ خاص طور پر حضورؑ کی خدمت میں درخواست دعا کیا کرتے تھے کہ آپؓ کا دل دنیا سے نہ لگے۔

اپریل 1907ء میں آپؓ کی شادی بٹالہ میں محترمہ سردار بیگم صاحبہ کے ساتھ ہوئی۔ اسی سال آپؓ کو قادیان حاضر ہو کر دستی بیعت کی بھی توفیق ملی اور آپؓ کے ذریعہ آپؓ کی اہلیہ اور اُن کے بھائیوں کو بھی قبول احمدیت کی توفیق عطا ہوگئی۔

حضرت شیخ صاحبؓ کو چونکہ حضرت مسیح موعودؑ کی صحبت میں رہنے کا زیادہ موقع نہیں ملا اس لئے آپؓ نے زیادہ تر دیگر اصحاب کی روایات ہی بیان فرمائی ہیں۔ آپؓ بیان فرماتے ہیں کہ آپؓ کو حضورؑ کے خادم خاص حضرت حافظ حامد علی صاحبؓ نے سنایا کہ ابتدائی زمانہ میں جب حضرت مرزا محمود احمد صاحبؓ چھوٹے بچے تھے تو آپؓ کی آنکھوں میں سوزش وغیرہ سے بہت تکلیف ہوگئی تو حضور انہیں اور حضرت امّ المؤمنین کو لے کر بٹالہ علاج کرانے کے لئے تشریف لے گئے۔ بٹالہ پہنچ کر مجھے فرمایا کہ شیخ محمد علی صاحب کے پاس جا کر پچاس روپے قرض لے آئیں۔ میں شیخ صاحب کے پاس گیا تو باتوں باتوں میں الہام کا ذکر آ گیا، شیخ صاحب نے کہا کہ الہام کی بات کچھ ایسی نہیں کہ جس کو بہت وقعت دی جائے، مجھے

بھی الہام ہوتے ہیں۔اور پھر بڑی خشکی اور لاپرواہی سے حضرت اقدسؑ کا ذکر کیا۔ بات بڑھ گئی تو میں ان سے ناامید ہوکر بیزاری کے ساتھ واپس آگیا اور حضورؑ کی خدمت میں تفصیل عرض کی۔حضورؑ نے غالباً خاموشی اختیار فرمائی۔ایک دو روز بعد مَیں بازار کسی کام کے لئے گیا تو ایک چٹھی رساں نے آواز دے کر کہا کہ میں دو تین روز سے مرزا صاحب کی تلاش کر رہا ہوں، ان کا پچاس روپے کا منی آرڈر آیا ہوا ہے۔میں اسے حضورؑ کے پاس لایا اور حضور نے یہ رقم وصول کی۔

حضرت شیخ فتح محمد صاحبؓ نے آپؓ سے بیان فرمایا کہ ابتدائی زمانہ میں مَیں قادیان آیا تو حضور علیہ السلام نے مجھے اندر بلالیا جہاں حضور اشتہارات وغیرہ کے خود ہی پیکٹ بنا رہے تھے اور پتہ وغیرہ بھی ان پر خود ہی لکھتے تھے۔میں نے عرض کیا کہ میں یہ کام کرتا ہوں، حضور میری عرض سن لیں۔فرمایا: آپ بھی میرے ساتھ یہ کام کرتے جائیں اور باتیں بھی کرتے جائیں۔ اس زمانہ میں حضورؑ خود ہی سارا کام کرتے تھے اور انتہائی محنت سے کام کرتے تھے۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کے حوالہ سے آپؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک احمدی دوست کے مالی تنگی کا ذکر کرنے پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِیْ کی دعا مانگتے رہا کریں۔

ڈلہوزی میں تقویت ایمان کے واقعات

1910ء کے موسم گرما میں آپؓ کو دفتری امور کے سلسلہ میں ڈلہوزی جانا پڑا جہاں ایسے کئی واقعات پیش آئے جو آپؓ کے ایمان کی تقویت کا موجب ہوئے۔ اس سفر میں آپؓ کے ہمراہ اہلیہ کے علاوہ بعض دیگر عزیز بھی تھے۔آپ بیان فرماتے ہیں کہ ہم ایک سرکاری پردہ دار بیلوں والے تانگے میں تھے۔تین چار تانگے ہندو کلرکوں کے تھے۔ ہم شام کے وقت دُنیرا کے پڑاؤ پر پہنچے تو وہاں کے ہندو سٹور کیپروں نے اپنے ہندو بھائیوں کو خیمے دے دیئے، جن میں انکے اہل وعیال اتر پڑے اور میں کھڑا رہ گیا۔ ہر چند اِدھر اُدھر مکانات اور خیموں کی تلاش کی مگر بے سود۔ایک عزیز نے گھبرا کر مجھے کہا کہ رات سر پر آگئی ہے اب کیا ہوگا؟۔ میں نے کہا "خدا داری چہ غم داری"۔ خدا ضرور کوئی سامان کرے گا۔ اتنے میں ایک گھڑ سوار آیا اور اس نے مجھے محبت سے سلام کیا اور کہا، ہے آپ کہاں؟۔ میں نے قصہ سنایا تو کہنے لگا کہ آپ ذرا ٹھہریئے میں ابھی آتا ہوں۔تھوڑی دیر میں وہ ایک خیمہ اور گھاس لایا اور چند سپاہی بھی۔جن کے ذریعہ اس نے خیمہ لگوایا۔اور گھاس اس میں بچھا کر کہا: اپنے گھر والوں کو اس میں اتار دیں۔پھر ایک اور خیمہ بطور بیت الخلاء کے لگوا دیا۔پھر کہا کہ میں آپ کے لئے کھانا لاتا ہوں، مگر کچھ دیر ہوجائے گی، آپ معاف کریں۔چنانچہ ضروری سامان پانی وغیرہ بھجوا کر خود قریباً گیارہ بجے رات کے کھانا زردہ، دال روٹی وغیرہ لایا۔اور معذرت کرنے لگا کہ چونکہ دیر ہوگئی تھی گوشت نہیں مل سکا۔، دال ہی مل سکی، آپ یہی قبول فرمائیں۔پھر پوچھنے پر کہنے لگا کہ آپ مجھے نہیں جانتے۔میں نے کہا معاف کریں مجھے آپ سے ایک دفعہ کی ملاقات کا شبہ پڑتا ہے وہ بھی کچھ یاد نہیں کہ کہاں ہوئی تھی۔تو اس نے کہا کہ آپ نے میری درخواست لکھی تھی جس پر مجھے دفعداری مل گئی تھی۔اس لئے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔اور کہا اب رات بہت ہوگئی ہے، میں جاتا ہوں، چند آدمی چھوڑے جاتا ہوں جو رات کو آپ کا پہرہ بھی دیں گے تاکہ سامان چوری نہ ہو اور بعد روانگی خیمہ وغیرہ بھی سنبھال لیں گے۔میں نے سجداتِ شکر ادا کئے۔اور اللہ تعالیٰ کی اس بندہ نوازی نے میرے ایمان میں بڑی ترقی بخشی۔

آپؓ مزید بیان فرماتے ہیں کہ ڈلہوزی میں ایک ایسے مکان میں اترا جہاں قریب کوئی احمدی نہ تھا۔کوتوال عبدالغفار صاحب کا مکان راستہ میں پڑتا تھا۔وہ مجھے آتے جاتے دیکھتے رہتے تھے۔ان کے مکان پر اکثر بڑے بڑے لوگ اترتے تھے۔میں کوتوال صاحب کو سلام کرکے گزرتا مگر کبھی ان کے پاس نہ بیٹھتا۔ایک روز انہوں نے کہا آپ میرے پاس کیوں نہیں بیٹھتے؟۔ میں نے کہا کہ جن چیزوں کی آپ کے پاس افراط ہے، جنہیں آپ کے مہمان پسند کرتے ہیں، میں ان اشیاء کا نہ شائق ہوں نہ طلب گار، مجھے تو ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنے کی خواہش ہوتی ہے جو خدا کی باتیں کریں یا سنیں۔اُن کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور مجھے کہا کہ مجھے تو آپ جیسے لوگ پسند ہیں۔ میں اُنہیں باہر لے گیا۔انہوں نے دل کھول کر باتیں کیں۔ اور کہاں کہ یہ دنیادار تو میرے پاس کھانے پینے کے لئے آجاتے ہیں، حقیقت میں ان کو نہ میرے سے محبت ہے نہ مجھے ان کی خواہش، مجھے تو باخدا لوگوں کی خواہش ہے۔سوشکر ہے کہ آپ مل گئے ہیں۔میں نے کہا ہمارے سلسلہ میں ایک نوجوان ایسا ہے جس کا تعلق خدا کے ساتھ ہے۔ کہنے لگا کہ وہ کون؟۔ میں نے کہا کہ 'مرزا محمود احمد صاحب آف قادیان'۔اس پر انہوں نے ملنے کی بڑی خواہش ظاہر کی۔اس خواہش صادق کو اللہ تعالیٰ نے یوں پورا کردیا کہ کچھ روز بعد جب مَیں قادیان گیا تو معلوم ہوا کہ حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحبؓ ڈلہوزی تشریف لے جارہے ہیں۔تھوڑی دیر میں آپ تشریف لائے تو میں نے عرض کیا وہاں کا کوتوال عبدالغفار خاں آپ سے ملنے کا بیحد مشتاق ہے۔ پھر میں نے اسی وقت ڈاک میں کوتوال صاحب کو اطلاع دی کہ وہ نوجوان صالح جن کا میں نے ذکر کیا تھا ڈلہوزی آرہے ہیں۔بعد میں حضرت صاحبزادہ صاحبؓ نے مجھے خود بتایا کہ میرا خط ملنے پر کوتوال نے شہر و چھاؤنی نے اپنے آدمی بھیجے کہ مرزا محمود احمد آف قادیان کا پتہ لگاؤ کہ وہ کہاں اترے ہیں۔ان لوگوں نے سمجھا کہ وہ ایک بڑے پیر کے لڑکے ہیں اس لئے کسی خاص اہتمام اور خاص خدام کے ذریعہ آئے ہونگے۔آخر کوتوال صاحب ڈلہوزی شہر گئے تو انہیں معلوم ہوا کہ مَیں ایک احمدی بھائی کے مکان پر اترا ہوں۔ پھر انہوں نے آپ کا لفافہ دکھلا کر کہا کہ میں آپ کی تلاش کر رہا ہوں۔اب جو آپ مل گئے ہیں تو میرے مکان پر تشریف لائیں۔ پھر وہ مجھے چھاؤنی میں لائے اور چھاؤنی کے شرفاء کو دعوت دے کر بلایا اور مجھے کہا کہ آپ ان کو پہلے تبلیغ کریں، بعد میں کھانا کھلایا جائے گا۔پھر مساجد میں لے جاکر بھی تبلیغی گفتگو کرائی۔

نماز کی ادائیگی کا شوق

حضرت شیخ صاحبؓ لکھتے ہیں کہ ڈلہوزی میں نماز ادا کرنے کے لئے میں دفتر سے جایا کرتا تھا اس لئے مجھے ہندو کلرک اچھی نگاہ سے نہ دیکھتے تھے۔ایک روز میجر جائرس کنٹریکٹ آفیسر کے پاس میری شکایت کی گئی تو اُس نے بلاکر پوچھا کہ کیا

تم نماز کے لئے دفتر کے وقت میں چلے جاتے ہو؟ میں نے کہا یہ درست ہے۔ وہ کہنے لگا، جب تک میں اجازت نہ دوں تم نہیں جاسکتے۔ اُس وقت نماز ظہر کا وقت تھا۔ میں نے کہا: صاحب! میں نماز ضرور پڑھوں گا اور اگر آپ کو میری یہ بات ناگوار ہو تو میں آپ کو کہے دیتا ہوں کہ اب میں نماز کے لئے جاتا ہوں اور آپ مجھے اس سے روک نہیں سکتے۔

یہ کہہ کر میں اس کے سامنے دفتر سے نکل گیا اور سارے دفتر نے یہ نظارہ دیکھا۔ اس کے بعد چند روز تک دفتر نہ گیا۔ تو ہیڈ کلرک نے مجھے ایک رقعہ لکھا کہ دفتر میں آکر جواب دو کہ تم کیوں غیر حاضر ہو رہے ہو۔ مَیں نے چپڑاسی کو جو چِٹھی لایا تھا کہہ دیا کہ ہیڈ کلرک سے کہہ دو کہ اگر میرے ساتھ خط و کتابت کرنی ہے تو افسر کو کہو وہ مجھے لکھے۔ پھر میں جواب دوں گا۔ افسر نے دوسرے روز مجھے رقعہ لکھ کر دفتر بلایا۔ اور پوچھا کہ غیر حاضر کیوں ہو اور کیا چاہتے ہو؟۔ میں نے کہا دفتر سے اس لئے غیر حاضر ہوں کہ آپ مجھے نماز پڑھنے سے روکتے ہیں اور آپ جیسے افسر کے سامنے مجھے کسی قسم کی درخواست کرنے کی ضرورت نہیں۔ (حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے میرے اس واقعہ کا ذکر اپنی کتاب ''ملائکۃاللّٰہ'' میں کیا ہے)۔ افسر مذکور پر کچھ ایسا اثر ہوا جیسے کوئی ڈر جاتا ہے۔ زبان سے کچھ نہ بولا اور مجھے جرنیل کے دفتر میں لے گیا اور بغیر میری پیشی کے جو جرنیل کے پاس ہوئی تھی میرا استعفاء منظور کرالیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی سیرت

حضرت شیخ صاحبؓ بیان فرماتے ہیں کہ ملازمت سے فارغ ہو کر مَیں اپنی بیمار بیوی کو لے کر قادیان آگیا اور مجھے صدر انجمن کے دفتر محاسب میں بطور کلرک بیس روپے ماہوار پر جگہ مل گئی۔ لیکن اس قلیل مشاہرہ میں گزارہ کرنا محال ہو گیا۔ بظاہر تو یہ ابتلاء تھا مگر حقیقت میں مَیں اس کو انعام ہی سمجھتا تھا۔ یہانتک کہ میری بیوی کی بیماری نے طول پکڑا۔ حضرت خلیفہ اوّلؓ نے علاج بھی بہت کیا مگر بخار نہ ٹوٹا، معلوم ہوتا تھا کہ مرض دق سل آخری منزل پر پہنچ چکا ہے۔ حضورؓ کے ارشاد پر کئی طبیبوں نے علاج کیا لیکن فرق نہ پڑا۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے کہا کہ اس مریضہ میں اب کچھ نہیں رہا۔ حضورؓ کے احسانات دیکھ کر میرے دل میں حضرت خلیفہ اوّلؓ کے اخلاق حسنہ اور احسانات کی وجہ سے عشق کا رنگ پیدا ہو گیا تھا۔ ایک دفعہ رات کے تین بجے جب میری بیوی کا بخار بہت تیز ہو گیا تو مَیں حضورؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گھوڑی سے گرنے کی وجہ سے تکلیف کے باعث ان دنوں حضور مردانہ حصہ میں سوتے تھے اور احباب کو خدمت کرنے کا موقعہ ملتا تھا۔ میں حضرت کے حضور حاضر ہو کر چارپائی کے پاس خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں حضورؓ کی آنکھ کھلی تو حضورؓ نے السلام علیکم کہا اور فرمایا: کیا بات ہے؟ میں نے بخار کا حال عرض کیا تو فرمایا: پانی میں کپڑا تر کر کے ریڑھ کی ہڈی پر ملو یہانتک کہ بخار کم ہو جائے۔ اور فرمایا ہم دعا کریں گے۔ اور حضور کی دعا اور ارشاد سے بخار کم ہو گیا۔

یہ واقعہ حضرت خلیفہ اوّلؓ کی سیرت کے ایک درخشندہ پہلو پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ حضور شدید بیمار ہیں۔ گھوڑے سے گر کر زخمی ہوئے ہیں اور مردانہ میں سونے کی کبھی ضرورت پڑی ہے تا ساری رات احباب کی خدمت میں رہ سکیں۔ ایسی حالت میں حضرت شیخ صاحبؓ کبھی طبی مشورے کے لئے حاضر ہو سکتے ہیں اور خدمت میں حاضر خدام بھی کبھی اجازت دے سکتے ہیں جب سب کو حق الیقین ہو کہ حضور خدمت خلق کے لئے وقف ہیں۔ اور ایسی شدید تکلیف میں بھی ایسے بے وقت مشورہ لینے کو ہرگز ناپسند نہ فرمائیں گے بلکہ اسے باعثِ ثواب و موجب راحت سمجھیں گے۔

حضرت شیخ صاحبؓ مزید بیان فرماتے ہیں کہ میری زوجہ اوّل کی بیماری کے ایام میں یہ بُت میرے دماغ پر حاوی تھا کہ حضرت خلیفہ اوّلؓ کے علاج سے مریضہ کو شفاء کو ہو جائے گی کیونکہ آپؓ میرے مرشد ہیں اور باخدا ہیں اور پھر طبیب بھی اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ مَیں حضور کو بار بار دعا کے لئے عرض کیا کرتا تھا۔ ایک روز بوقت عصر حضور نے مسجد مبارک کی سیڑھیوں کے پاس میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی جوان کو پیٹ درد محسوس ہوتی ہے تو وہ خیال کرتا ہے کہ ذرا چلنے پھرنے سے یا ورزش کرنے سے دُور ہو جائے گی۔ جب دُور نہیں ہوتی تو اپنی بیوی سے ذکر کرتا ہے جو کہتی ہے کہ میں ابھی چائے وغیرہ تیار کر کے دیتی ہوں اس سے آرام آجائے گا۔ جب اس سے بھی آرام نہیں آتا تو محلّہ کے کسی طبیب سے دوائی پیتا ہے۔ پھر بھی آرام نہیں ہوتا تو شہر کے بڑے طبیب کے پاس جاتا ہے اس کے علاج سے بھی آرام نہیں آتا تو اسے خیال آتا ہے کہ علاج سے تو شفاء نہیں ہوئی تو وہ کسی باخدا بزرگ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا حال عرض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ دنیا کے علاج ومعالجہ سے تو کچھ نہیں ہوا اگر حضور نے دعا کی تو امید ہے شفاء ہو جائے گی۔ مگر جب اس باخدا بزرگ کی دعاؤں سے بھی فائدہ نہیں ہوتا تو وہ خدا کے حضور سجدہ میں گر جاتا ہے یہ کہتے ہوئے کہ اے خدا میں نے سارا جہان دیکھ لیا مگر میری مصیبت دور نہیں ہوئی۔ اب تیرے دروازہ پر آیا ہوں۔ اب تو رحم فرما اور میرے گناہ بخش کر مجھے شفاء دے تو اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرتا ہے اور اسے شفاء دے دیتا ہے۔ یہ فرما کر حضور مسجد مبارک کی سیڑھیوں پر چڑھنے لگ گئے اور میں بھی ساتھ مسجد مبارک چلا گیا۔

1912ء میں مَیں راولپنڈی سے مع اہلیہ اوّل دو ماہ کی رخصت لے کر قادیان آیا۔ تو ایک روز گھر آنے پر اہلیہ نے بتلایا کہ مولوی عبدالحیٔ صاحب خلف الصدق حضرت خلیفہ اوّلؓ آئے تھے اور مجھے گھر نہ پاکر واپس چلے گئے۔ مجھے فکر پیدا ہوا کہ کوئی خاص بات ہی ہوگی جو وہ میرے مکان پر آئے تھے۔ مَیں جلدی جلدی گیا تو وہ حضورؓ کے مکان کے بیرونی دروازہ پر ہی مل گئے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کو میرے مکان تک تکلیف کرنے کی کیا وجہ ہوئی۔ خیر تو تھی؟۔ انہوں نے بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ چونکہ ابا جان کو آپ سے محبت ہے اس لئے میں آپ کے دولت خانہ پر آپ کی ملاقات کے لئے گیا تھا۔ اور پھر باتوں باتوں میں مجھے کہا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی اہلیہ صاحبہ کو بیماری سے شفاء کس طرح ہوئی ہے۔ میں نے کہا نہیں۔ تو بتایا کہ جن ایام میں آپ ابا جان کی خدمت میں دعا کے لئے عرض کیا کرتے تھے۔ انہی دنوں ایک روز ابا جان گھر میں تشریف لائے اور فرمایا کہ فضل احمد کو اپنی بیوی سے بڑی محبت ہے اور ہمیں فضل احمد سے محبت ہے۔ ان کی بیوی کا ہر چند ہم نے علاج کیا مگر فائدہ نہیں ہوتا، اس لئے ان کے لئے اب

اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر حضور ایک مصلّی پر جو صحن میں پڑا تھا سجدہ میں گر گئے اور بڑی دیر تک دعا کی، جس کے بعد وہ صحتیاب ہو گئیں۔

آپؓ بیان فرماتے ہیں کہ 1911ء میں میرے گزارے کی تنگی کا ذکر میری ہمشیرہ نے حضورؓ سے کر دیا۔ آپؓ کے دریافت فرمانے پر مَیں نے حالات بیان کئے تو فرمایا کہ کیا کوئی افسر واقف ہے؟۔ ایجاب میں جواب دینے پر فرمایا: اس کو لکھو اور ملازمت کے لئے کوشش کرو۔ چنانچہ میں نے اپنے ایک افسر کو نوشہرہ خط لکھا تو اُس کا تار ملا کہ فوراً پہنچ کر رپورٹ کرو۔ تار دکھلانے پر حضور خوش ہوئے اور اجازت دی۔ میں نوشہرہ پہنچا تو فوراً قلعہ چکورہ بھجوایا گیا جہاں بطور نائب سٹور کیپر کام کرتا تھا۔ میری شہرت ہو چکی تھی کہ احمدی ہوں۔ اس لئے وہاں کے نانبائی نے جو پٹھان تھا روٹی نہ دی۔ چنانچہ چند پیڑے منگوا کر صبح ان کو بطور سحری کھا کر روزہ رکھ لیا مگر بہت ضعف ہو گیا۔ دوسرے تیسرے روز سٹور کیپر کو جو ہندو تھا اس تکلیف کا علم ہوا تو اُس نے سحری اور شام کی روٹی کا انتظام کر دیا اور پھر وہ نانبائی بھی روٹی دینے لگ گیا۔

جب میں چکورہ جانے لگا تو کسی نے بتایا کہ وہاں کا ملیریا کا موسم بہت خطرناک ہے اور وہاں تو پتھروں کو بھی ملیریا ہو جاتا ہے۔ مجھے بہت فکر ہوا اور میں نے آنحضرت ﷺ کی بتائی ہوئی دعا اللّٰھم ربّ السّمٰوٰت السّبع (الخ) بہت عاجزی سے پڑھی۔ حضرت خلیفہ اوّلؓ فرماتے تھے کہ اگر کسی وبازدہ شہر میں جانا پڑے تو اس دعا کے پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ اس وبا سے بچالے گا۔ قلعہ چکورہ کے پاس دریا کا پانی وہاں کی فصل والی زمین میں سے گذرتا ہے۔ جسے سب پیتے ہیں۔ اس لئے ملیریا ہو جاتا ہے۔

تین ماہ بعد میرے ایک مہربان افسر میجر AWD ہیرنگٹن کمانڈنٹ کیمل کور نے مجھے راولپنڈی بلا لیا اور حکم دیا کہ رہائش ان کی کوٹھی پر ہی رکھوں۔ ہیڈ کلرک کی اس آسامی کے لئے دوسرے لوگ بڑی کوششیں کر رہے تھے جو حضورؓ کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرما دی۔ اسی دوران ایک لیفٹیننٹ پرتھی سنگھ جورا جیوتا نہ کے کسی ہندو سردار کی اولاد میں سے تھے، وہاں متعین ہوئے۔ یہ شخص بڑا متعصب تھا اور مجھے نفرت سے دیکھتا تھا۔ میں نے ایک خواب میں دیکھا جس سے معلوم ہوا کہ یہ جلدی چلا جائے گا اور واپس نہ آئے گا۔ میں نے اس خواب کی خوب تشہیر کی۔ اس پر اُس نے اپنے بدارادے کا اظہار بھی کیا لیکن جلد ہی اُسے فیلڈ میں بھجوا دیا گیا اور پھر وہ واپس نہ آیا۔

حضور خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی نظر میں
حضرت صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحبؓ کا مقام

حضرت خلیفہ اوّلؓ حضرت صاحبزادہ صاحبؓ (خلیفہ ثانی) کا بہت احترام فرماتے تھے۔ حضرت شیخ فضل احمد صاحبؓ اس حوالہ سے متعدد چشم دید واقعات تحریر فرماتے ہیں۔ نیز آپ بیان فرماتے ہیں کہ میں اُس خطبہ جمعہ میں موجود تھا جس میں حضرت خلیفہ اوّلؓ نے فرمایا کہ سلیمان تو نسوی بائیس سال کی عمر میں خلیفہ ہوئے اور اٹھہتر سال انہوں نے خلافت کی۔ یہ خطبہ آپ نے غالباً غیر توسیع شدہ مسجد اقصیٰ میں دیا تھا۔

آپ مزید فرماتے ہیں کہ ایک جلسہ مدرسہ احمدیہ کے صحن میں ہوا تھا۔ حضرت میاں صاحبؓ نے کوٹ پہننے کا ارادہ کیا تو حضرت خلیفہ اوّلؓ نے آپؓ کو کوٹ پہننے میں مدد دی۔

آپؓ مزید فرماتے ہیں کہ غالباً 1913ء میں حضرت خلیفہ اوّلؓ کی خدمت میں خاکسار آپ کے دولت خانہ میں حاضر تھا۔ اتنے میں میاں محمود احمد صاحبؓ خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کی آمد پر حضرت خلیفہ اوّلؓ اپنی جگہ سے ہلے، جیسے کوئی معزز مہمان کے لئے جگہ خالی کرتا ہے۔ ایسی عزت افزائی آپ کی کسی اور کو کرتے میں نے نہیں دیکھا۔

6،7 مئی 1911ء کو احمدیہ انجمن بٹالہ کا پہلا سالانہ جلسہ تھا جو حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کی زیر صدارت منعقد ہوا۔ جلسہ سے قبل منتظم جلسہ حضرت شیخ عبدالرشید صاحبؓ نے مجھے قادیان بھیجا کہ حضورؓ کی خدمت میں عرض کروں کہ حضرت صاحبزادہ صاحبؓ کی ایک تقریر پروگرام میں شامل ہے لیکن احباب کی خواہش ہے کہ آپؓ دو تقریریں کریں۔ جب میں نے حضورؓ کی خدمت میں یہ عرض کیا تو فرمایا کہ اس میں تو باپ والا رنگ ہے۔ میں اس کی تقریر نہیں برداشت کر سکتا تو بٹالہ والے ایسے کہاں کے آگئے کہ اس کی دو تقریریں سُن لیں گے۔

آپؓ مزید بیان فرماتے ہیں کہ تعلیم الاسلام ہائی سکول کی بنیاد رکھنے کے لئے جب حضرت خلیفہ اوّلؓ تشریف لائے تو بنیادی اینٹیں رکھ کر ارشاد فرمایا کہ حضرت مرزا محمود احمد صاحبؓ، حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ، حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ اور حضرت نواب محمد علی خانصاحبؓ سے بھی رکھوائیں۔

حضرت خلیفہ اوّلؓ کے ساتھ ذاتی تعلق

حضرت شیخ صاحبؓ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت خلیفہ اوّلؓ کی مجلس میں مجھے بکثرت بیٹھنے کا موقعہ ملا۔ پہلے تو حضورؓ مجھے 'آپ' کے لفظ سے مخاطب فرماتے تھے۔ پھر 'اوئے' کہہ کر پکارنے لگے جس سے مجھے بڑی خوشی ہوتی۔

ایک زمانہ تھا کہ میں آپؓ کی خدمت میں جلدی جلدی عریضہ دعا بھیجا کرتا تھا۔ ان دنوں کارڈ کی قیمت ایک پیسہ تھی۔ میں کارڈ لیتا اور کوئی شعر یا فقرہ لکھ بھیجتا۔ میرے دل میں یہ ہوا کرتا تھا کہ حضورؓ کو خدا تعالیٰ نے جو توجہ اور کشش بخشی ہے کہ اگر آپ میرے جیسے خاک سے بھی بدتر انسان پر دعا اور توجہ فرمائیں تو میں سونا بن سکتا ہوں۔ آپؓ کے دل پر میرے ان عریضوں کا اثر ہوتا تھا۔ مگر مجھے علم نہ تھا کہ اثر ہے بھی کہ نہیں اور اگر ہے تو کتنا۔ لیکن 1910ء میں جب حکیم فضل حق بٹالوی صاحب نے میرے ذریعے بیعت کر لی تو مَیں انہیں لے کر قادیان آیا۔ مسجد اقصیٰ میں حضورؓ تشریف فرما تھے۔ حضورؓ نے میری طرف اشارہ کر کے حکیم صاحب کو فرمایا کہ خطوط کے ذریعہ محبت بڑھانا اِن سے سیکھیں۔ اُس وقت مجھے سمجھ آیا کہ میرے خطوط کا حضورؓ کے دل پر اتنا اثر تھا۔

ایک موقعہ پر حضورؓ کی زیارت کے لئے بہت سے احباب آپؓ کے مکان پر جمع تھے۔ بابو عبدالحمید صاحب پٹیالوی اور میں پیچھے سے آئے۔ ہمیں آپؓ تک پہنچنے

میں قریباً ایک گھنٹہ لگ گیا۔ بابو صاحب کو دیکھتے ہی حضورؓ نے حال پوچھا۔ اتنے میں کوئی دوست سنگترے لایا۔ تو فرمایا کہ اتنے سنگترے بیوی صاحبہ (یعنی حضرت ام المؤمنینؓ) کو بھیج دیئے جائیں اور کچھ اندر زنانہ میں۔ اور ایک سنگترہ مجھے دیا جس سے میں نے سمجھا کہ حضور کو میرے حال پر توجہ ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی سیرۃ کے چند انداز

حضرت شیخ صاحبؓ نے حضرت خلیفہ اوّلؓ کی پاکیزہ سیرۃ سے متعلق بہت مفید اور اہم امور بیان فرمائے ہیں۔ جن میں سے چند ذیل میں پیش ہیں:

ذکر الٰہی: حضرت خلیفہ اوّلؓ نماز عصر سے نماز مغرب تک تنہائی میں درود شریف پڑھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جمعہ کے روز نماز عصر میں ایک خاص گھڑی دعا کی قبولیت کی آتی ہے۔

قبولیت دعا: ایک روز حضورؓ نے فرمایا کہ ایک احمدی فوجی انڈین آفیسر ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے کہ حضور دعا فرمائیں کہ میں لڑائی میں بھی نہ جاؤں اور مجھے تمغہ بھی مل جائے۔ میں نے کہا ہمیں تو آپ کے قواعد کا علم نہیں، معلوم نہیں تمغہ کس طرح ملا کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ میڈل اسے ملتا ہے جو لڑائی میں جائے۔ میں نے کہا کہ پھر آپ کو بغیر لڑائی میں جانے کے کیونکر مل سکتا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ حضور دعا فرمائیں۔ ہم نے کہا اچھا ہم دعا کریں گے۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ آئے اور بتلایا کہ حضور کی دعا سے مجھے تمغہ مل گیا ہے۔ اور دریافت کرنے پر بتلایا کہ میں Base میں تھا کہ میرے نام حکم پہنچا کہ لڑائی کے میدان میں پہنچو۔ میں ڈرا مگر چل پڑا۔ ابھی تھوڑی دُور ہی گیا تھا مگر وہ حد پار کر چکا تھا جس کے عبور کرنے پر ایک فوجی افسر تمغہ کا حقدار متصور رہوتا ہے کہ پھر حکم ملا کہ واپس چلے آؤ۔ صبح ہوگئی ہے اور لڑائی بند ہے۔ اس طرح حضور کی دعا سے میں لڑائی پر بھی نہیں گیا اور مجھے تمغہ بھی مل گیا۔

☆ حضرت شیخ صاحبؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں اپنی جوانی اور بچپن میں بہت دبلا پتلا تھا۔ جب میں ڈلہوزی سے استعفاء دے کر آیا اور حضرت خلیفہ اوّلؓ سے پھر ملازمت کرنے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ تم نے انبالہ سے کیوں تبدیلی کرائی تھی۔ عرض کیا کہ وہ نوکری پنشن والی نہ تھی، تو فرمایا کہ تم کو کیا علم ہے کہ تمہاری عمر اتنی لمبی ہوگی کہ تم پنشن پاؤ گے؟.......... مجھے یقین ہے کہ حضور نے میری اس خواہش کا خیال رکھتے ہوئے جہاں میری ملازمت وغیرہ کے لئے دعا کی ہوگی وہاں میری عمر اور پنشن کے لئے بھی دعا کی ہوگی۔ کیونکہ میرے وہم میں بھی نہ آتا تھا کہ میں اتنی لمبی عمر پاؤں گا یعنی چوراسی سال اور میں قریباً تینتیس 33 سال سے پنشن پا رہا ہوں۔

عشق رسول ﷺ: ایک روز مَیں حضورؓ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ دیکھا کہ آپؓ ایک ہلکے گلابی رنگ کے پھول کو کبھی بوسہ دیتے ہیں اور پھر اسے اپنی آنکھ پر رکھ لیتے ہیں اور بار بار ایسا کرتے ہیں۔ کچھ دیر بعد فرمایا کہ مجھے حضرت نبی کریم ﷺ کی یاد آرہی تھی۔ حضورؐ کے رخسار مبارک بھی ایسے ہی گلابی رنگ کے تھے۔

بائبل کی تعظیم: مکرم شیخ محمد تیمور صاحب ایم۔اے حضرت خلیفہ اوّلؓ کے ہاں رہتے تھے اور آپؓ اُن سے بڑے پیار اور محبت سے پیش آتے تھے۔ انہوں نے ایک دن کوئی کتاب آپؓ کے مکان میں ایک طاق میں کتابوں کے اوپر رکھ دی۔ حضرت کی نظر پڑ گئی۔ چونکہ وہ کتاب بائبل کے اوپر رکھی گئی تھی، فرمایا کہ توراۃ اگرچہ محرف ومبدل ہے مگر پھر بھی خدا کی کتاب ہے۔ اس کا ادب کرنا چاہئے۔ اور اس کے اوپر کوئی معمولی کتاب نہیں رکھنی چاہئے۔

تکلّفات سے نفرت: ایک دفعہ مطب میں سے آپؓ جانے لگے تو ہم سب اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ اور آپؓ کی واپسی پر پھر کھڑے ہوگئے۔ فرمایا کہ میں تمہارے اٹھنے بیٹھنے پر خوش نہیں ہوتا۔ گویا حضور اسے ایک رسمی عزت سمجھتے تھے، اس لئے ایسی عزت افزائی کو کچھ خیال میں نہ لاتے تھے۔

الحُبّ و البُغض للّٰہ: راولپنڈی سے آمدہ ایک احمدی دوست سے حضرت خلیفہ اوّلؓ نے کمال مہربانی سے خاکسار کا حال پوچھا تو اُن صاحب نے اپنی خاص طرز سے جس میں مذاق کا رنگ زیادہ ہوتا تھا، عرض کیا کہ فضل احمد تو کوئی راجہ اترا ہوا ہے، اس کے مکان پر بڑے کھانے تیار ہوتے رہتے ہیں۔ حضورؓ نے فرمایا کہ اگر ان کے پاس اتنا روپیہ ہے تو وہ ہمیں کیوں نہیں بھیج دیتے تا کہ غرباء پر خرچ کیا جائے۔ واپس آکر ان صاحب نے یہ واقعہ سنایا تو مجھے بہت رنج ہوا۔ میں نے خیال کیا کہ میں دعاؤں سے محروم ہو گیا ہوں اور حضور مجھ پر ناراض ہیں۔ میں نے کہا کہ میں کہاں کا راجہ ہوں۔ آپ نے یہ کیا کہہ دیا؟...... کچھ عرصہ کے بعد میں قادیان گیا تو حضورؓ کو اپنے مکان کے صحن میں کھڑا پایا۔ السلام علیکم عرض کیا تو فرمایا کہ ہم آپ پر خوش ہیں مگر قدرے ناراض بھی۔ عرض کیا کہ خوشی تو خوشی ہی ہے۔ میں حضورؓ کی ناراضگی کو بھی اس رنگ میں دیکھتا ہوں کہ آخر حضور مجھے اپنا خادم ہی سمجھتے ہیں جبھی تو ناراضگی کا ذکر فرماتے ہیں۔ اگر یہ خادم غیر ہوتا تو حضورؓ ناراض نہ ہوتے۔ اس پر حضور بڑے خوش ہوئے اور پیدا شدہ ناراضگی کی بات آئی گئی ہوگئی۔

خدام کی دلداری: غالباً 1905ء میں خاکسار قادیان آیا۔ میرے پاس زیادہ روپیہ نہ تھا، میں نے چند پیسوں کے کیلے بٹالہ سے خریدے۔ مگر یہ کیلے تازہ نہ تھے۔ بلکہ سیاہ رنگ کے ہوچکے تھے اور تھے بھی چھوٹے چھوٹے۔ وہی لے کر شرمندہ شرمندہ حضرت خلیفہ اوّلؓ کے حضور پہنچا۔ جب یہ پیش کئے اور دل ہی دل میں خوفزدہ ہو رہا تھا کہ حضور شاید ناپسند کریں گے۔ مگر میری حیرت کی کوئی حد نہ رہی کہ حضرت نے خوشی سے لے کر کھانے شروع کر دیئے۔ اور ایک یا دو میرے سامنے حضور نے کھائے اور باقی اپنے پاس رکھ لئے۔ **الحمدللّٰہ، ثم الحمدللّٰہ**

تعبیر رؤیا: ایک دفعہ میں نے حضرت خلیفہ اوّلؓ کی خدمت میں اپنی یا اپنی اور زوجہ اوّل کی خواب لکھی۔ جس میں یہ ذکر تھا کہ وہ حج کر کے آئی ہیں اور اپنی خواب میں بیت الخلاء کا ذکر کیا۔ جواب میں آپ نے رقم فرمایا: آپ کی بی بی انشاء اللہ تعالیٰ کسی اپنے مطلب میں کامیاب ہوگئی ہے، یا کامیاب ہو جائے گی۔ آپ کے متعلق بھی کامیابی کی امید ہے۔ مگر بیت الخلاء سے لگتا ہے کہ کچھ آپ کا خرچ ہو جائے گا۔ (28 جون 1910ء)

1911ء میں یہ تعبیر ظاہر ہوئی جب میں کامیاب ہو کر کیمل کور میں ملازم ہوا

اور جلد ہی ہیڈ کلرک ہو گیا۔

النصح للّٰہ: ایک دفعہ میری درخواست پر تحریر فرمایا: ''میں نے آپ کا اخلاص بھرا رقعہ پڑھا۔ قرآن میں لکھا ہے: وأتوا البیوت من ابوابھا۔ ہر ایک کام کا ایک دروازہ ہوتا ہے اور اس ذریعہ سے وہ کام بابرکت ہوتا ہے۔ میری سمجھ میں ایسا آتا ہے کہ آپ اس آیت کو نہیں سمجھے۔ سمجھ (دینا) اصل میں اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے۔...... اللہ تعالیٰ سمجھ دیدے گا۔'' (الحکم 1908ء)

قرآن مجید سے عشق: حضرت خلیفہ اولؓ گھوڑے سے گرنے کے بعد ایک شام حفاظ سے قرآن کریم سن رہے تھے۔ حافظ قاضی عبدالرحمٰن صاحب نے سورہ محمد سنائی۔ فرمایا کہ عام طور پر حفاظ یہ سورت نہیں پڑھا کرتے کیونکہ اس میں ترنم کم ہوتا ہے۔ غالباً اسی شام حافظ محمود اللہ شاہ صاحب اور حافظ عزیز اللہ شاہ صاحبؓ نے قرآن سنایا تو فرمایا کہ مجھے تمہارے ماں باپ پر رشک آتا ہے کہ کیسی نیک اولاد اللہ تعالیٰ نے ان کو دی ہے۔

بطلانِ وحدت الوجودیت: ایک موقعہ پر باتیں کرتے ہوئے حضورؓ نے مجھ سے میرے ایک ماموں زاد بھائی کے حالات دریافت فرمائے تو میں نے کہا کہ حضور کے وہ عاشق ہیں۔ مگر ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے وہ خدا تعالیٰ ہی کراتا ہے۔ فرمایا کہ چھلکے خدا تعالیٰ نے بنوائے ہیں!؟

تلقین صبر و رضا بالقضاء: ایک بار درس میں حضورؓ نے فارسی اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ پہلے تو اس نے میرا مٹکا توڑ دیا اور میرا سرکہ جو اس میں تھا گرا دیا۔ مگر میں نے کوئی گلہ نہ کیا کہ کیوں میرا نقصان کر دیا۔ اس کے بعد ایک صد مٹکے عمدہ سرکہ کے مجھے صبر کے بدلے میں دیئے اور مجھے خوش کر دیا۔ اس سے حضور نے سمجھایا کہ صبر کرنے والوں کو صبر سے بڑا انعام ملتا ہے۔

اسی طرح ایک دفعہ ایک شخص نے اپنی پریشانی کا ذکر کیا تو حضورؓ نے یہ شعر پڑھا:

سر نوشت ما بدست خودنوشت

خوش نویس است و نخواہد بدنوشت

اور فرمایا کہ جو خوش نویس ہوتا ہے وہ معمولی قلم سے بھی کچھ لکھے تو دوسروں کی نسبت سے اچھا لکھ لیتا ہے۔ برا لکھ ہی نہیں سکتا۔ (یعنی مالک تقدیر جو کچھ بھی لکھے گا اچھا ہی ہوگا)۔

وقار عمل: مسجد اقصیٰ کی توسیع خلافت اولیٰ میں ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ حضرت خلیفہ اولؓ خود نیچے اترے اور ٹوکری مٹی کی بھری ہوئی اٹھانے لگے۔ اس پر احمدی احباب نے جلد ہی وہ جگہ صاف کر دی۔ مٹی باہر نکلوائی گئی۔ اور تعمیر کا کام شروع ہو گیا۔

یتیم پروری اور غریب پروری: ایک روز میاں عبدالوہاب صاحب حضرت کے پاس آئے اور پیسے مانگے۔ آپؓ کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔ آپؓ خاموش رہے۔ پاس ہی ایک زمیندار بھائی بیٹھے تھے۔ وہ اپنے پاس سے کچھ دینے لگے تو آپؓ نے انہیں منع فرمایا۔ انہوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ اس طرح بچوں کے اخلاق خراب ہو جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے والد کے پاس جو لوگ بیٹھے ہیں وہ ہمیں کچھ نہ کچھ دیں گے۔ تھوڑی دیر تک آپؓ نے اپنے بچے کو کچھ نہ دیا اور وہ خاموش کھڑے رہے۔ اس وقت اُن کی عمر غالباً تین چار سال ہوگی۔ مگر تھوڑی دیر میں ایک یتیم بچہ آیا اور اس نے شاید رضائی بنوانے کے لئے پندرہ بیس روپے کا مطالبہ کیا جو آپ نے فوراً پورا کر دیا۔

☆ ایک دن میں حضورؓ کی خدمت میں حاضر تھا۔ وہاں ایک نوجوان لڑکا جو بہت غریب تھا بیٹھا تھا۔ اتنے میں بعض احمدی معزز زمیندار آئے۔ اور اس غریب لڑکے کے متعلق سفارش کے طور پر عرض کیا کہ یہ واقعی غریب ہے۔ حضور خاموش رہے۔ جب ان افراد نے دوبارہ یہی بات کہی تو آپؓ نے حضرت حکیم صوفی غلام محمد صاحبؓ امرتسری کو ارشاد فرمایا کہ وہ بتلائیں کہ ہم اس نوجوان کے لئے کیا کر رہے ہیں۔ صوفی صاحب نے بتایا کہ حضورؓ نے اس کے لئے پہلے فلاں اٹھارہ یا بیس روپے کی دوائی لاہور سے منگوائی جو موافق نہ آئی۔ پھر آپؓ نے فلاں دوائی منگوائی جس پر اتنے روپے خرچ ہوئے۔ پھر اس کے لئے پرہیزی کھانے کا انتظام کیا ہوا ہے۔ اور اسے علیحدہ مکان دیا ہوا ہے اور اس پر بہت سا خرچ اب تک کیا ہے۔ حضورؓ نے ان زمیندار بھائیوں سے کہا کہ اگر ہمیں الٰہی خوف یا فرمایا کہ اگر الٰہی محبت نہ ہوتی تو کس طرح ہم اتنا خرچ اس پر کرتے۔ یہ بیچارہ تو بالکل نادار ہے۔

تمام حاضرین حضور کی فیاضی پر متعجب ہوئے۔

مثبت سوچ: حضورؓ کے سامنے کوئی بھینس لے کر آیا۔ اس نے گوبر کر دی۔ لوگوں نے برا مانا اور تھوکنے لگے۔ حضورؓ نے فرمایا کہ تمہارے پاخانہ سے تو زیادہ بدبودار نہیں۔

جاذبیت: غالباً ملتان سے حضورؓ کے ایک غیر احمدی دوست علاج کے لئے آپؓ کے پاس آئے۔ آپؓ نے بڑی محبت اور محنت سے ان کا علاج کیا۔ شفایاب ہو کر انہوں نے بعض داڑھی منڈے نوجوانوں پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ ایسے لڑکوں کو تنبیہ کرنی چاہئے۔ فرمایا: آپ بھی عالم ہیں۔ آپ کا بھی حق ہے کہ نصیحت کریں۔ انہوں نے مسجد اقصیٰ میں غالباً صوبہ سرحد کے ایک نوجوان کو کچھ تنبیہ کی تو وہ نوجوان غصہ سے کہنے لگا کہ ہم کو تو صرف حضور کا ڈر ہے ورنہ تمہیں اٹھا کر مسجد سے باہر پھینک دیتے۔ اُن صاحب نے جب حضورؓ کی خدمت میں یہ بات سنائی تو فرمایا کہ یہ جن ہمارے ہی قابو میں ہیں۔ مراد یہ تھی کہ آپ لوگوں کی نصیحت پر یہ بے قابو ہو جاتے ہیں، ہمارے کہنے پر عمل کرتے ہیں۔

غرباء کے السابقون بالایمان ہونے کی حکمت: ایک روز فرمایا کہ اگر انگلستان کا بادشاہ احمدی ہو جائے اور اس کے دل میں جوش پیدا ہو کہ میں اپنے مرشد و آقا کی زیارت کے لئے قادیان جاؤں اور وہ اپنے وزیر اعظم کو حکم دے کہ ہم قادیان جائیں گے، ہمارے لئے جہاز تیار کیا جائے۔ تو وزیر اعظم بھی فوراً کہے گا کہ مجھے بھی اجازت ہو کہ آپ کے ہمراہ جاؤں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ جہازوں کا ایک قافلہ قادیان آنے کے لئے تیار ہو جائے گا اور وہ آخر کار جہازوں سے اتر کر سپیشل ٹرینوں میں بٹالہ آئے گا۔...... پھر جب وہ قادیان پہنچ کر بادشاہ حضرت کے حضور حاضر ہوتا ہے، بیشمار تحفے تحائف حضرت اقدسؑ کی خدمت میں پیش کرتا

ہے اور کچھ روز رہ کر واپس ولایت چلا جاتا ہے۔ تو وہاں جا کر اسے خیال آتا ہے کہ میں نے حضرت صاحب کو کیا کچھ دیا۔ بے شمار تحفے تحائف، اور انہوں نے مجھے کیا دیا، کچھ نہیں۔ میں جیسا پہلے بادشاہ تھا، ویسا ہی اب بادشاہ ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے دل میں وہ عزت وعظمت نہ رہے گی اور ایک منافقانہ کیفیت دل کی ہوجائے گی۔ دوسری طرف یہ معاملہ ہے کہ ایک غریب شخص حضرت اقدسؑ کی خدمت میں حاضر ہوکر ایمان لاتا ہے اور بیعت کرتا ہے، حضور کی دعاؤں کی برکت سے اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے پر پہنچتا ہے تو وہ حضور کے احسان کو دیکھ کر قربان ہوجاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں غریب اور نادار تھا، حضور کی غلامی سے کیا سے کیا بن گیا اور وہ اخلاص میں ترقی کر جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ حکمت الٰہی ہے جو بڑے بڑے لوگ سابقون میں نہیں آتے، غرباء ہی آتے ہیں۔ اگر پہلے بادشاہ آئیں تو منافق بن جائیں گے۔ مگر غرباء ایمان لا کر بادشاہ بن جاتے ہیں اور ایمان میں ترقی بھی کر جاتے ہیں۔

حساباً یسیراً کی لطیف تفسیر: ایک روز حکیم غلام محمد صاحبؓ امرتسری نے عرض کیا کہ قرآن شریف میں جو حساباً یسیراً آتا ہے، بتائیں وہ کس طرح ہوگا۔ فرمایا: اچھا۔

کچھ دن گزر گئے۔ اس اثناء میں جو رقم حضور کے پاس نذرانہ وغیرہ کی آئی، آپ حکیم صاحب موصوف کو اپنے پاس رکھنے کی ہدایت کرتے، اور جو جو خرچ ہوتا انہی سے کراتے۔ ایک دن حضور نے ان سے کہا کہ اس رقم کا حساب لکھ کر لائیں۔ چونکہ موصوف کو یہ خیال بھی نہ تھا اس لئے بہت گھبرائے۔ محض یاد کی بناء پر کچھ لکھا، کچھ یاد نہ آیا۔ آپؓ بار بار حساب طلب فرماتے۔ آخر وہی جو تھوڑا بہت لکھا تھا ڈرتے ڈرتے لے گئے۔ تو حضور نے دیکھ کر پوچھا کہ حساب میں فلاں فلاں آمد اور فلاں خرچ درج نہیں۔ تو حکیم صاحب کی گھبراہٹ کی کوئی حد نہ رہی۔ یہ حال دیکھ کر فرمایا کہ مولوی صاحب ہم جانتے ہیں کہ آپ دیانتدار ہیں، آپ نے خیانت نہیں کی، جاؤ حساب ٹھیک ہے۔ پھر فرمایا آپ حساباً یسیراً کی تفسیر پوچھتے تھے، اسی طرح قیامت میں بھی ہوگا۔ تب مولوی صاحب کی جان میں جان آئی۔

کبھی بھوکا نہ رہنا: حضورؓ نے ایک بار فرمایا کہ ایک دفعہ ہم مہاراجہ کشمیر کے ساتھ سفر میں تھے، کہ راستہ میں لوگ منتشر ہوگئے۔ مہاراجہ اور مَیں اور مہاراجہ کے ایک دو غلام باقی رہ گئے۔ رات کو ایک ڈاک بنگلہ پر پہنچے تو دل لگی سے راجہ نے مجھے کہا کہ آپ کہا کرتے ہیں کہ میں رات کو بھوکا نہیں رہ سکتا، اب دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ یہ درست ہے، میرے ساتھ بادشاہ ہے، میں بھوکا نہیں رہ سکتا۔ راجہ نے خیال کیا کہ بادشاہ سے مراد وہ خود ہیں اور اپنے ساتھ جو ملازم تھے اُن کو حکم دیا کہ مولوی صاحب کے لئے کھانا لاؤ خواہ کہیں سے لاؤ اور ان کو رات ہرگز بھوکا نہ رکھا جائے۔ ملازم میرے لئے کہیں سے کھانا لائے اور مجھے جگا کر کھلایا۔ صبح ہوئی تو میں نے مہاراجہ سے کہا کہ آپ نے دیکھ لیا کہ کس طرح میرے بادشاہ (مراد حضرت رسول کریم ﷺ) نے مجھے رات کھانا بھجوایا۔

1912ء میں مَیں حضورؓ کے بہت سے درسوں میں شامل ہوتا رہا۔ ایک درس نماز عشاء کے بعد ہوتا تھا جو آپ اپنی چھوٹی سی بیٹھک میں دیا کرتے تھے۔ اس درس میں ایک احمدی شیر فروش مسمّی محمد بخش صاحب آئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک پیالہ تھا جو بالائی سے بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا کہ حضور! آج سارا دن میرے دل میں یہی خواہش پیدا ہوتی رہی کہ آپ کے لئے بالائی لاؤں، سو دودھ کو جوش دیتا رہا اور جب ہلکی سی بالائی آجاتی تو اسے اتار کر پیالہ میں ڈال دیتا، حضور قبول فرمائیں۔ آپ نے پیالہ لے لیا اور فرمایا کہ ہم اندر گھر میں گئے تھے۔ کھانا مانگنے پر کہا گیا کہ کھانا تو ختم ہوچکا ہے، بچوں نے کھالیا ہے۔ مگر چونکہ ہمارا رات کا کھانا حضرت نبی کریم ﷺ کے ذمہ ہے اس لئے وہ بالائی کی شکل میں آگیا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ ہلکی بالائی ثقیل نہیں ہوتی اور پھر وہیں درس میں بالائی کھالی۔

مہاراجہ سے مرعوب نہ ہونا: حضرت خلیفہ اوّلؓ نے بیان کیا کہ ایک دفعہ مہاراجہ صاحب جموں کشمیر کشتی میں جھیل ڈل کی سیر کر رہے تھے۔ مہاراجہ کو پوجا کرانے والا پنڈت اور چند اَور افراد بھی ہمراہ تھے۔ عصر کی نماز کا وقت ہونے پر میں نماز پڑھنے لگا، پنڈت نے کہا مہاراج آپ نے دیکھا کہ مولوی صاحب نے آپ سے اجازت لئے بغیر نماز پڑھنی شروع کردی ہے۔ مہاراجہ نے بات سنی مگر جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر بعد پنڈت نے پھر یہی بات دہرائی۔ مگر مہاراجہ نے خاموشی اختیار کئے رکھی۔ جب میں نے نماز پڑھ لی تو مہاراجہ نے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ مولبی جی! (یعنی مولوی جی! وہ مولبی تحقیر سے نہیں کہتا تھا، بلکہ اس کی طرز تکلم ایسی ہی تھی) کیا آپ نے سنا کہ اس پنڈت نے کیا کہا؟۔ میں نے کہا کہ میں نے تو نہیں سنا، پھر تھوڑی دیر کے بعد مجھ سے پوچھا اور تیسری بار بھی پوچھا، میں نے ہر بار یہی جواب دیا۔۔۔۔۔ پھر پنڈت کی طرف غصہ سے دیکھ کر ایک خاص قسم کی گالی نکال کر جس کی عادت تھی کہا کہ یہ نہیں جانتا کہ آپ ہم سے ڈرنے والے نہیں۔ اگر آپ ڈرنے والے ہوتے تو پہلے اجازت مانگتے پھر نماز پڑھتے۔ مگر آپ نے تو خدا کی نماز پڑھنی تھی، اس لئے آپ کو خدا کا ڈر تھا ہمارا نہیں۔

علم قرآن کا عطا ہونا: ایک دفعہ حضرت خلیفہ اوّلؓ نے قرآن کریم کا درس دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا روم (یعنی مولانا جلال الدین رومیؒ) کو قرآن کریم کے سات بطن سمجھائے تھے۔ مگر میں تحدیث بالنعمۃ کے طور پر کہتا ہوں کہ میرے مولا نے مجھے بڑا آدمی بلکہ بہت بڑا آدمی بنایا ہے۔ اور مجھے قرآن کریم کا بڑا علم عطا کیا ہے۔ مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان سے بڑھ کر مجھے علمِ قرآن عطا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے مسلسل تعلق: ایک روز آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے کسی بات پر فرمایا کہ اولیاء اللہ عام طور پر خلوت کو پسند کرتے ہیں۔ تم اپنے مرزاؑ کو ہی دیکھ لو کہ وہ کس طرح خلوت پسند ہیں۔ بخلاف ان تمام اولیاء اللہ کے ایک نورالدین ہے جو جلوت میں رہتا ہے مگر اس کی تار خدا کے ساتھ ہر وقت لگی رہتی ہے۔

(آئندہ شمارہ میں جاری ہے۔ انشاء اللہ)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی
نیشنل مجلس عاملہ انصار اللہ جرمنی کو ہدایات
''جب میں ایک بات کسی مجلس انصار اللہ کو کہتا ہوں تو وہ سب کے لئے ہوتی ہے''

15 دسمبر 2009ء کو نیشنل مجلس عاملہ انصار اللہ جرمنی کی حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ میٹنگ ہوئی۔ حضور انور نے دعا کروائی اور باری باری تمام قائدین سے ان کے شعبوں اور کام کا جائزہ لیا اور ساتھ ساتھ ہدایات سے نوازا۔ یہ ہدایات انصار بھائیوں اور عہدیداران کی رہنمائی کے لئے شائع کی جارہی ہیں۔

معاون صدر سے اُن کے سپرد کام کے بارہ میں حضور انور نے دریافت فرمایا۔ معاون صدر نے بتایا کہ صدر صاحب جو کام بھی سپرد کرتے ہیں اس کی ہم تعمیل کرتے ہیں۔

قائد عمومی سے حضور انور نے مجالس کی تعداد، چھوٹی اور بڑی مجالس کی تعداد اور ان میں شامل انصار کی تعداد کے بارہ میں دریافت فرمایا۔ حضور انور کی خدمت میں یہ رپورٹ پیش کی گئی کہ انصار کی مجالس کی تعداد 236 ہے۔ جن میں سے 40 مجالس ایسی ہیں جن کی انصار کی تجنید 20 تک ہے اور جو باقی مجالس ہیں ان کی انصار کی تجنید 20 سے زائد ہے۔ قائد عمومی نے حضور انور کے دریافت فرمانے پر بتایا کہ وہ روزانہ دس گھنٹے دفتر میں بیٹھتے ہیں اور روزانہ کی ڈاک میں دوصد سے زائد خطوط کا جواب دیا جاتا ہے۔ حضور انور کے دریافت فرمانے پر قائد عمومی نے بتایا کہ ہم نے سو فیصد مجالس سے ماہانہ رپورٹ حاصل کی ہیں، حضور انور کی خدمت میں رپورٹس کی وصولی کا چارٹ پیش کیا گیا۔ حضور انور نے یہ چارٹ ملاحظہ فرمانے کے بعد بتایا کہ مئی، جون، جولائی میں آپ نے سو فیصد رپورٹ حاصل کی ہیں جبکہ بعد کے ماہ میں کچھ کمی آئی ہے۔ بہر حال آپ کی اچھی رپورٹ ہے۔ حضور انور نے دریافت فرمایا کہ مجالس سے جو رپورٹ آپ کو موصول ہوتی ہیں تو ان رپورٹس پر جواب کون دیتا ہے، قائد صاحب عمومی نے بتایا کہ جملہ قائدین اپنے اپنے شعبہ کی رپورٹ پر جواب دیتے ہیں اور قائدین کے جوابات اور تبصرے صدر مجلس کی نظر سے گزرتے ہیں۔

صدر مجلس نے بتایا کہ وہ رپورٹس پر قائدین کی راہنمائی کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ یہ جواب دیں اور اس طرح لکھیں۔ اس پر حضور انور نے فرمایا کہ قائدین کو خود جواب دینے دیں۔ خود کام کرنا اتنا اہم نہیں ہے جتنا کام کروانا اہم ہے۔

قائد تعلیم القرآن ووقف عارضی سے حضور انور نے وقف عارضی کے پروگرام کے بارہ میں دریافت فرمایا، حضور انور کی خدمت میں یہ رپورٹ پیش کی گئی کہ وقف عارضی کے پروگرام پر توجہ نہیں ہے۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ میں نے اجتماع مجلس انصار اللہ یوکے پر اپنے خطاب میں انصار اللہ کو اس طرف توجہ دلائی تھی کہ وقف عارضی میں حصہ لیں اور باقاعدہ پروگرام بنا کر، سکیم بنا کر وقف عارضی کریں۔ یہ خطاب MTA پر نشر ہو چکا ہے۔ آپ نے سنا ہے؟ حضور انور نے فرمایا کہ جب میں ایک بات کسی مجلس انصار اللہ کو کہتا ہوں تو وہ سب کیلئے ہوتی ہے۔ اچھی مجالس اخبارات میں شائع ہونے والی رپورٹس سے ہدایات لیتی ہیں اور ان پر عمل کرتی ہیں، اپنے پروگرام بناتی ہیں اور پھر مجھے لکھتی ہیں کہ فلاں ملک کی مجلس عاملہ انصار اللہ کو جو ہدایات دی تھیں وہ ہم نے لی ہیں اور پروگرام بنا کر ان پر عمل کیا ہے۔

قائد تعلیم نے اپنی رپورٹ دیتے ہوئے بتایا کہ سہ ماہی نصاب دیا جاتا ہے۔ ایک حدیث بھی دی جاتی ہے۔ حضور انور نے فرمایا کہ ایک حدیث تین ماہ کے لئے کافی نہیں۔ ارذل العمر والے کے لئے تو ایک حدیث تین ماہ میں ہوسکتی ہے، جو صف دوم کے ہیں ان کے لئے زیادہ نصاب ہونا چاہئے۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی چھوٹی کتاب مقرر کر لیں اور وہ ان کو دیں اور پھر اس کا امتحان لیں۔ صدر مجلس نے بتایا کہ مجالس کو مقالہ ہستی باری تعالیٰ کے عنوان پر دیا ہوا ہے۔ نیز مختلف عناوین پر صاحب علم لوگوں سے تقاریر تیار کروائی جاتی ہیں۔ حضور انور نے فرمایا کہ تقریریں کروا کر سوال و جواب کروائیں پھر فائدہ ہوگا۔ حضور انور نے فرمایا جو انصار فارغ ہیں ان کو دعوت الی اللہ کے لئے استعمال کریں اور ان سے کام لیں۔ جو جماعتیں آپ کی Active ہیں وہ آپ کو بے تحاشا لوگوں کی فہرستیں مہیا کرسکتی ہیں۔ دعوت الی اللہ میں سب کو Active کرنا پڑے گا تب جا کر کام ہوگا۔ حضور انور کی خدمت میں رپورٹ پیش کی گئی کہ 24 دعوت الی اللہ کی مجالس کروائی گئی ہیں جن میں 684 افراد شامل ہوئے۔ حضور انور نے دریافت فرمایا کہ ان مجالس سے جو استفادہ کیا گیا اس سے آگے کیا فائدہ اٹھایا۔ ان لوگوں سے بعد میں رابطہ رکھنا چاہئے۔ Follow Up کا سلسلہ ہونا چاہئے۔

قائد تربیت نے اپنی رپورٹ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ وہ انصار جو مسجد کے نزدیک نہیں رہتے اور اسی طرح وہ انصار جو رابطہ نہیں رکھتے ان کا جائزہ لیا گیا اور کوشش کی گئی۔ حضور انور نے دریافت فرمایا آپ کے اس جائزے اور کوشش کا کیا نتیجہ نکلا۔ کیا آپ اس سے مطمئن ہیں؟ قائد تربیت نے بتایا کہ آہستہ آہستہ نتیجہ نکل رہا ہے۔ حضور انور نے فرمایا کہ تین سال سے آپ کوشش کررہے ہیں 36 مہینے گزر گئے ہیں، تین سال پہلے کیا حالت تھی۔ اب کیا حالت ہے؟ قائد صاحب نے بتایا کہ میرے پاس اب ذمہ داری آئی ہے۔ حضور انور نے فرمایا اب ذمہ داری کا آنا کوئی بہانہ نہیں ہے۔ اصل میں یہ ہے کہ شعبہ تربیت نے کیا کام کیا ہے۔ جو بھی سابقہ قائد ہے اس کا فرض ہے کہ اپنے شعبہ کی رپورٹ مکمل کر کے جائے تا کہ آئندہ

آنے والا اس کام کو آگے بڑھائے۔ ہر قائد یہ سوچے کہ میں ایک سال کیلئے قائد ہوں اس نہج پر کام کروں، اس نہج پر چلاؤں کہ آئندہ آنے والا قائد اس سے فائدہ اٹھائے اور آگے کام بڑھا سکے تب ہی فائدہ ہے ورنہ نیا آنے والا پھر صفر سے کام شروع کرتا ہے۔

قائد ایثار نے اپنے شعبہ کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ نئے سال کے شروع میں جو وقار عمل ہوتا ہے اس میں ہم شامل ہوتے ہیں۔ پھر بوڑھے لوگوں کے ہوسٹلز میں بھی وزٹ کیا جاتا ہے اور اسی طرح مختلف شہروں میں پودے لگائے جاتے ہیں۔ ہم نے سات شہروں میں شجر کاری کی ہے۔ حضور انور نے فرمایا یہاں ایک پودا لگائیں تو بہت سراہا جاتا ہے۔ اس لئے اگر پچاس، سو لگائیں تو شور پڑ جائے گا۔ حضور انور نے فرمایا آپ ان کو کہیں کہ ہمیں کوئی گلی دو ہم آپ کو پچاس، سو پودے لگا دیں گے، جنگل میں خاص ایریا ہوتا ہے وہ لیا جا سکتا ہے یا پارک وغیرہ کا کوئی حصہ لے لیں کہ ہم یہاں پودے لگائیں گے اور اس کی دیکھ بھال کریں گے، اس سے آپ کا بہت زیادہ تعارف بڑھ سکتا ہے اور آپ کو ہر طرف سراہا جائے گا اور حکام سے رابطے اور تعلق بڑھیں گے۔ حضور انور کو بتایا گیا کہ دو صد یورو کا ایک پودا ملتا ہے۔ حضور انور نے فرمایا پودے چھوٹے بڑے ہوتے ہیں اور مختلف اقسام کے ہوتے ہیں اس لئے مختلف قیمتوں میں ملتے ہیں اور بعض بہت سستے بھی مل جاتے ہیں۔ حضور انور نے فرمایا آپ اپنے گھروں کے سامنے بھی پودے لگا سکتے ہیں۔ حضور انور نے صدر مجلس سے فرمایا کہ آپ کے اجتماع پر چالیس ہزار یورو خرچ ہوتا ہے رقم بچ جاتی ہے اس میں سے دس ہزار شعبہ ایثار کو دے دیں پودے لگانے کے لئے۔ بعض جگہ خاص پودے لگتے ہیں اور بعض جگہ اپنی مرضی سے لگاتے ہیں، اس میں سستے بھی ہیں اور مہنگے بھی ہیں، گھروں کے سامنے لگ سکتے ہیں، بیت الذکر کے سامنے لگ سکتے ہیں Geernery ہو جائے گی۔ حضور انور نے فرمایا ہر جگہ مجلس ایسے کام کر رہی ہو جہاں پروجیکشن مل رہی ہو، ہمسایہ کی طرف سے بھی اور پھر علاقہ میں بھی تو پھر حق میں آواز بلند ہوتی ہے۔ جس طرح کہ آج جامعہ (جرمنی) کے سنگ بنیاد کے موقع پر ہوا۔ میئر نے بھی اور دوسرے مہمانوں نے بھی کھلے دل کے ساتھ آپ کے حق میں اظہار کیا۔ حضور انور نے فرمایا اس لئے پوری ریسرچ کریں اور جائزہ لیں کہ ہم کس طرح کے پودے لگا سکتے ہیں۔ گلوبل وارمنگ کا آجکل بڑا شور ہے۔ اگر آپ اس طرح کے کام کر رہے ہوں گے تو کوئی پتہ نہیں کہ کسی وقت حکومت آپ کی مدد کرنی شروع کر دے۔ حضور انور نے فرمایا نئے راستے نکالنا اصل کام ہے۔ صرف جوانوں کے جوان کا خطاب لے لینا اصل کام نہیں ہے۔

قائد دعوت الی اللہ سے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا کہ آپ نے دعوت الی اللہ کا ٹارگٹ کیا رکھا ہے۔ جس پر موصوف نے بتایا کہ مشرقی جرمنی کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک حصہ خدام کو اور ایک حصہ انصار کو دیا ہے۔ حضور انور نے دریافت فرمایا وہاں کے لوگوں کو اسلام سے دلچسپی ہے کہ نہیں، انہوں نے چالیس سال بھوکے رہ کر گزارے ہیں۔ اب ان کو کھانے پینے، دولت اور عیاشی سے غرض ہے۔ حضور انور نے فرمایا: شہروں سے باہر نکلیں اور چھوٹی جگہوں پر رابطے کریں، کونسل سے رابطے کریں، گھروں سے رابطے کریں، سیمینار منعقد کریں انٹر فیتھ کانفرنس کا انعقاد کریں اور ایسے عناوین لئے جائیں کہ لوگوں میں دلچسپی پیدا ہو۔ مثلاً خدا تعالیٰ کا وجود، اسلام امن وسلامتی کا مذہب ہے۔ تیسری جنگ عظیم سے کس طرح بچا جا سکتا ہے۔ حضور انور نے فرمایا یہ کہنا غلط ہے کہ جرمنی میں دلچسپی نہیں ہے۔ بڑے شہروں میں کم ہوگی لیکن چھوٹی آبادیوں اور دیہاتوں میں آپ کو لوگ ملیں گے آہستہ آہستہ تعارف حاصل ہوگا، بڑے شہروں میں تو دنیاداری ہے۔ یہ لوگ اپنے سیاسی رابطے رکھیں گے یا پھر علم رکھنے کی وجہ سے بعض معلومات کے حصول کے لئے رابطہ رکھیں گے کہ کیا ہو رہا ہے جو لوگ شہر سے باہر ہیں ان پر بیشک میڈیا کا اثر ہوتا ہے لیکن شہر کے ملے گلے کا اثر نہیں ہوتا۔ حضور انور نے فرمایا کہ شہروں میں سیمینار کرنا، بک سٹال لگانا اور نمائشوں کا انعقاد کرنا یہ پرانے طریقے تو ہیں، لیکن اب اپنی روایات کے اندر رہتے ہوئے نئے طریق بھی اختیار کریں۔ پرانے طریق بھی ساتھ ساتھ رکھیں لیکن اپنی روایات کے مطابق نئے راستے بھی اختیار کریں۔ یہ نہیں کہ آؤ تمہیں ڈانس دکھائیں گے پھر دعوت الی اللہ کریں گے۔ مذہب وہ سکھانا ہے جو ہماری حقیقت ہے جو ہماری روایات کے مطابق ہے۔

قائد مال نے بتایا کہ سال 2008ء میں سو فیصد سے زائد وصولی کی توفیق پائی۔ حضور انور نے فرمایا یہ نہیں کہہ سکتے کہ سو فیصد وصولی کر لی ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے نہ کہہ سکتے ہیں کہ بجٹ کے مطابق وصولی کر لی ہے۔ اس بجٹ میں کئی انصار ایسے ہوں گے جو ابھی شامل نہیں ہوں گے اور کئی ایسے ہوں گے جنہوں نے چندہ کم دیا ہو گا اور کئی ایسے ہوں گے جنہوں نے زیادہ دیا ہوگا۔ کئی آپ کے زیر اثر ہونگے انہوں نے آپ کے مانگنے پر زیادہ دے دیا ہوگا، اس طرح زیادہ وصولی کر لی ہوگی۔ حضور انور نے بجٹ کے بارہ میں دریافت فرمایا۔ قائد مال نے بتایا کہ انصار کی تجنید 3437 ہے۔ بجٹ چار لاکھ 28 ہزار یورو ہے۔ گزشتہ سال چندہ مجلس تین لاکھ اکسٹھ ہزار یورو تھا۔ امسال اضافہ کے ساتھ تین لاکھ چوہتر ہزار ہے۔

قائد صحت جسمانی نے بتایا کہ اجتماع کی ایک رپورٹ کھیلوں وغیرہ کی ایک صوبے کے اخباروں میں شائع ہوئی ہے۔ اس بارہ میں مزید کام کر رہے ہیں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے دریافت فرمانے پر قائد نومبائعین نے بتایا کہ گزشتہ سال پانچ مختلف اقوام کے 14 انصار نومبائعین تھے جبکہ امسال تین مزید آئے ہیں۔ دو پاکستان سے ایک جرمنی کا ہے۔ ان سب سے رابطہ مجالس کے ذریعہ اور فون کے ذریعہ رکھا جاتا ہے۔ نماز اور دوسرا سلیبس بھجوا دیا جاتا ہے تا کہ وہ بھی استفادہ کر لیں۔ ہم ان کو اجتماعات میں شامل کرتے ہیں، ان کے مقابلہ جات ہوتے ہیں، ان کے سلیبس کے مطابق مقابلہ جات ہوتے ہیں

قائد اشاعت سے حضور انور نے فرمایا کیا مجلس کا کوئی اپنا رسالہ ہے تو قائد اشاعت نے بتایا کہ گزشتہ سال ہم نے سیدنا مسرور نمبر نکالا تھا۔ اب بھی ایک بلیٹن نکالنا تھا لیکن اس میں کچھ اصلاح ہونے والی تھی۔ صدر صاحب مجلس نے روکا ہوا ہے۔ حضور انور نے فرمایا کیا اشاعت کی ٹیم نہیں ہے جو معیار کو دیکھے۔ اپنی ایک ٹیم

بنائیں اور اس میں پڑھے لکھے لوگ شامل کریں۔

قائد تحریک جدید نے بتایا کہ ہم جماعت جرمنی کے تحریک جدید کے چندہ کا 1/4 حصہ جمع کرتے ہیں۔ ہمیں یہ ہدایت ہے کہ چوتھا حصہ مجلس انصار اللہ دیا کرے۔ اس پر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے کوئی اصول نہیں بتایا تھا۔ قائد تحریک جدید نے بتایا کہ گزشتہ سال انصار اللہ جرمنی کی طرف سے وعدہ دو لاکھ دس ہزار یورو تھا اس کے بالمقابل ہمیں دو لاکھ تریسٹھ ہزار نو سو اٹھائیس یورو جمع کرنے کی توفیق ملی تھی۔

قائد تجنید سے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا کہ کیا آپ کی تجنید میں تمام انصار شامل ہیں۔ موصوف نے بتایا ہماری تجنید ابھی تسلی بخش نہیں ہے۔ حضور انور نے فرمایا تو آپ تسلی بخش بنائیں اور مجالس سے رپورٹ لیا کریں Follow Up کرتے رہیں۔ زعیم مجلس کا کام ہے کہ جب کوئی ناصر منتقل ہو تو اس کی اطلاع کرے۔ معاون صدر برائے سوبیوت نے بتایا کہ ہم اپنے وعدے بڑھا رہے ہیں۔ امسال ہمارا وعدہ پانچ لاکھ 71 ہزار یورو کا ہے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ 2 رجنوری 2010ء)

قلمی تعاون

ادارہ ''انصار الدین'' کو مختلف صلاحیتوں کے حامل ایسے انصار کی تلاش ہے جو مضامین رقم کرنے کے علاوہ اردو سے انگریزی اور انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ یہ کام کر سکتے ہیں تو براہ کرم خاکسار سے براہ راست رابطہ کیجئے:

(**مدیر اعلیٰ** 02089920843)

چندہ انصار الدین

رسالہ ''انصار الدین'' کا سالانہ چندہ صرف پانچ پاؤنڈ ہے۔ براہ کرم یہ چندہ از خود اپنے زعیم حلقہ کو دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔ رسالہ میں بہتری سے متعلق اگر آپ کی قیمتی آراء بھی ہمیں موصول ہوں تو اُس کے لئے ہم آپ کے شکرگزار رہوں گے۔ جزاکم اللہ

سالانہ اجتماع انصار اللہ

مجلس انصار اللہ برطانیہ کا سالانہ اجتماع 2010ء انشاء اللہ تعالیٰ یکم تا 3 اکتوبر بروز جمعۃ المبارک، ہفتہ اور اتوار اسلام آباد میں منعقد ہوگا۔

انصار بھائیوں سے درخواست ہے کہ اس اجتماع میں شمولیت کے لئے تیاری فرمائیں اور اِس حوالے سے ملازمت سے رخصت، ٹرانسپورٹ اور دیگر امور کا انتظام قبل از فرمالیں۔ اس سلسلے میں اگر کسی قسم کی مدد درکار ہو تو براہ کرم مقامی زعیم انصار اللہ سے رابطہ فرمائیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

بقیہ از صفحہ 12: قرآن مجید کی عظمت

شریعت میں تصرف شروع ہو جاتا ہے۔ بہتر طریق یہ ہے کہ ایسے وظائف میں جو وقت اس نے صرف کرنا ہے، وہی قرآن شریف کے تدبر میں لگاوے۔ دل کی اگر سختی ہو تو اس کے نرم کرنے کے لئے یہی طریق ہے کہ قرآنِ شریف ہی کو بار بار پڑھے۔ جہاں جہاں دعا ہوتی ہے وہاں مومن کا بھی دل چاہتا ہے کہ یہی رحمتِ الٰہی میرے بھی شاملِ حال ہو۔ قرآنِ شریف کی مثال ایک باغ کی ہے کہ ایک مقام سے انسان کسی قسم کا پھول چنتا ہے پھر آگے چل کر اور قسم کا چنتا ہے۔ پس چاہیے کہ ہر ایک مقام کے مناسبِ حال فائدہ اُٹھاوے، اپنی طرف سے الحاق کی کیا ضرورت ہے۔ ورنہ پھر سوال ہوگا کہ تم نے ایک نئی بات کیوں بڑھائی؟ خدا تعالیٰ کے سوا اور کسی کی طاقت ہے کہ کہے فلاں راہ سے اگر سورہ یٰسین پڑھو گے تو برکت ہوگی ورنہ نہیں۔ (ملفوظات، روحانی خزائن صفحہ 266 جلد 6)

پھر فرماتے ہیں: ''قرآنِ شریف پر تدبر کرو اس میں سب کچھ ہے، نیکیوں اور بدیوں کی تفصیل ہے اور آئندہ زمانے کی خبریں ہیں وغیرہ۔ بخوبی سمجھ لو کہ یہ وہ مذہب پیش کرتا ہے جس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کے برکات اور ثمرات تازہ بہ تازہ ملتے ہیں، انجیل میں مذہب کو کامل طور پر بیان نہیں کیا گیا۔ اُس کی تعلیم اُس زمانہ کے حسبِ حال ہو تو ہو۔ لیکن وہ ہمیشہ اور ہر حالت کے موافق ہرگز نہیں۔ یہ فخر قرآنِ مجید کو ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ہر مرض کا علاج بتایا ہے اور تمام قویٰ کی تربیت فرمائی ہے۔ اور جو بدی ظاہر کی ہے اس کے دُور کرنے کا طریق بھی بتایا ہے۔ اس لئے قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہو اور دعا کرتے رہو اور اپنے چال چلن کو اس کی تعلیم کے ماتحت رکھنے کی کوشش کرو''۔ (ملفوظات، روحانی خزائن صفحہ 122 جلد 9)

پس ہم سب کا فرض بنتا ہے کہ ہم سارے حضرت مسیح موعودؑ کی تعلیم اور خواہش پر عمل کرنے والے ہوں، ہم وہ بنیں جو حضرت مسیح موعود کی خواہش تھی۔ اور قرآنِ مجید کی وہ تعلیم جو حضورؑ نے اپنی جماعت کے سامنے پیش کی اور جو عظمت وہ اپنے ماننے والوں کے دل میں قرآنِ مجید کی چاہتے تھے ہم سب اُس کو پورا کرنے والے بنیں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو جو مسیح موعود کے ساتھ ہے یہ درجہ عطا فرمایا ہے کہ وہ صحابہؓ کی جماعت سے ملنے والی ہے'' ،اس لئے ہمیشہ دل غم میں ڈوبا رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو بھی صحابہؓ کے انعامات سے بہرہ ور کرے۔ ان میں وہ صدق ووفا، وہ اخلاص اور اطاعت پیدا ہو جو صحابہؓ میں تھی، یہ خدا کے علاوہ کسی سے ڈرنے والے نہ ہوں۔ متقی ہوں کیونکہ خدا کی محبت متقی کے ساتھ ہے۔ ان اللّٰہ مَعَ الْمُتَّقِیْن'' (البقرہ 195۔ ملفوظات جلد اول صفحہ 405)

اللہ تعالیٰ ہمیں قرآنِ مجید پر عمل کرنے کی توفیق دے اور اس کی عظمت ہمارے دلوں میں ہر وقت رہے اور اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت مسیح موعودؑ کی تعلیم اور خواہش پر عمل کرنے کی توفیق دے اور جس طرح کی وہ جماعت ہمیں بنانے کی خواہش رکھتے تھے ہم سارے اُسی طرح کی جماعت بن جائیں۔

انصار ڈائجسٹ

فرخ سلطان محمود

اس کالم میں قارئین کی طرف سے موصول شدہ دلچسپ اور مفید تحریریں شامل اشاعت کی جاتی ہیں۔ قارئین خود لکھ کر یا اپنے زیر مطالعہ کسی کتاب یا رسالہ سے اخذ کرکے ہمیں کچھ بھی بھجوا سکتے ہیں۔ تحریر مختصر اور باحوالہ ہونی چاہئے۔ ہمارا پتہ ہے:
Ansar Digest, 22 Deer Park Road, London SW19 3TL

اسلامی اصول کی فلاسفی کے تراجم

حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب 16؍اکتوبر 1877ء کو بمبئی میں خوجہ خاندان میں پیدا ہوئے جو سر آغا خان کا ارادتمند تھا اور ان کا عقیدہ تھا کہ اسلامی عبادات یعنی نماز، روزہ وغیرہ غیر ضروری ہیں اور قرآن کریم صرف مشرک عربوں کو توحید کی تعلیم دینے کے لئے اتارا گیا تھا، غیر عربوں کے لئے نہیں۔

حضرت سیٹھ صاحب دن رات اپنے وسیع کاروبار میں مشغول رہا کرتے تھے۔ ایک روز کسی نے آپ کو مطالعہ کے لئے ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کا انگریزی ترجمہ دیا۔ اس کتاب کے مطالعہ نے آپ کے دل پر ایسا گہرا اثر کیا کہ آپ نے اپنے خرچ پر کئی نسخے منگوا کر اپنے مسلم اور غیر مسلم دوستوں کو تحفۃً دیئے۔ سب نے ہی کتاب کو بہت سراہا۔ پھر حضرت سیٹھ صاحب نے اپنے خاندان کو بھی اس لطف میں شامل کرنے کے لئے کتاب کا گجراتی زبان میں ترجمہ کیا اور شائع کرکے مفت تقسیم کا اہتمام کیا۔ پھر خان بہادر نواب احمد نواز جنگ سے اس کتاب کے بعض دیگر زبانوں میں تراجم کروا کے شائع کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو نواب صاحب نے اس کتاب کا ایک نسخہ نظام دکن کے چیف سیکرٹری نواب سر امین جنگ بہادر کو تبصرہ کے لئے بھجوایا۔ چیف سیکرٹری نے مطالعہ کے بعد مزید تراجم کروانے کی بھرپور تائید کی، چنانچہ مراٹھی، ہندی، گورمکھی، سندھی اور برمی سمیت نو (9) زبانوں میں اس کے تراجم شائع کروائے گئے۔

حضرت سیٹھ صاحب کے والد محترم الہ دین صاحب ایک نیک اور متوکل شخص تھے۔ اُن کی وفات پر لمبا عرصہ ہو چکا تھا۔ حضرت سیٹھ صاحب نے جب ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' میں یہ پڑھا کہ خدا بھی دعاؤں کو سنتا اور ان کا جواب دیتا ہے تو آپ نے اس دعویٰ کو آزمانے کا فیصلہ کیا اور اپنے والد کی حالت جاننے کے لئے دعا شروع کی۔ چند روز بعد آپ نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا۔ وہ خوش تھے اور اُن کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی تھی جس کے دو نگینے چمک رہے تھے جبکہ دو سیاہ تھے۔ اس کی تعبیر بعد میں یوں ظاہر ہوئی کہ اُن کے دو بیٹوں نے قبول احمدیت کی سعادت پائی اور دو محروم رہے۔

انداز تربیت

حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب مرحوم کا ذکر خیر کرتے ہوئے مکرم محمد سعید صاحب لکھتے ہیں کہ ایک مجلس شوریٰ کی ''سب کمیٹی'' میں کسی معاشرتی برائی کی روک تھام کے ذرائع زیر بحث تھے۔ بعض نوجوان اراکین نے جذبات کی رَو میں بہہ کر گفتگو میں تیزی اختیار کی اور اپنے نقطہ نگاہ پر اصرار کرتے ہوئے یہ بھی کہہ دیا کہ ربوہ میں بھی اس کے اثرات ظاہر ہونے لگے ہیں۔ اس پر اچانک مولوی صاحب گویا ہوئے کہ عزیزان! ہر خیال جو دل و دماغ میں آئے ضروری نہیں کہ زبان پر بھی لایا جائے، خواہ وہ کتنا ہی درست کیوں نہ ہو۔ پھر ہمارا مرکز ربوہ بہت قابلِ احترام اور پیارا ہے، اس کو اس طرح زیر بحث لانا ایک مخلص احمدی کی شان سے بعید ہے۔ آپ نے یہ فقرات ایسے دلنشیں انداز اور سوز سے کہے کہ اصرار کرنے والے نوجوان شرمندہ ہوگئے اور ''سب کمیٹی'' جلد ہی فیصلہ پر پہنچ گئی۔

خوں شہیدان امّت کا!

31؍اگست 1979ء کو کوٹلی (کشمیر) کے ایک نوّے سالہ احمدی بزرگ محترم منشی علم الدین صاحب کو مقامی عدالت کے قریب ہی سرعام، تیز دھار استرے سے شہ رگ کاٹ کر شہید کر دیا گیا۔ محترم منشی صاحب قبولِ احمدیت سے پہلے اہل حدیث مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ احمدی ہونے کے بعد آپ جماعت احمدیہ کوٹلی کے فعال رکن اور سرگرم داعی الی اللہ بن گئے۔ کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کی قلمی حمایت پر خصوصیت سے کمربستہ رہے۔

حضرت منشی علم الدین صاحب کا قاتل ایک مقامی وکیل تھا جس کی پشت پناہی ملاؤں کا طبقہ کر رہا تھا۔ عدالت میں جب مقدمہ چلا تو مخالفین نے ایک جعلی سرٹیفکیٹ پیش کیا جس کے مطابق قاتل کسی حادثہ کے نتیجہ میں سر پر چوٹ لگ جانے کے باعث ذہنی مریض رہ چکا تھا۔ چنانچہ عدالت نے قاتل کو ذہنی مریض ہونے کی بناء پر رہا کر دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قاتل کو اس دنیا میں بھی بے سزا نہ چھوڑا۔ چنانچہ بعدازاں اس کے ہاں ایک معذور بیٹا پیدا ہوا اور جلد ہی وہ خود بھی سچ مچ پاگل ہوگیا اور گلیوں میں مارا مارا پھرنے لگا حتیٰ کہ ایک روز اس نے خودکشی کرلی۔

☆ محترم ڈاکٹر فضل دین خٹک صاحب نے محترم چودھری ریاض احمد صاحب شہید شب قدر کو منظوم خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

تمام عمر ریاضت کرے کوئی انسان
کسی کے خود ہی قدم چومتے ہیں عز و کمال
گھسیٹتے ہو اسے کیوں؟ یہ جسم خاکی ہے
تم مارتے تھے جسے بن گئی وہ جانِ ہلال
یہ کیسا شہر ہے اس کے رموز کیسے ہیں
نہ اپنی جان سلامت نہ اپنی عزت و مال
بِنا دلیل کے جو لوگ خوں بہاتے ہیں
سمجھ لو ان کو نظر آ گیا ہے اپنا زوال

غیر معمولی روحانی استعداد

محترم بریگیڈیر وقیع الزمان صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت مولوی عبدالمغنی صاحبؓ فرمایا کرتے تھے کہ ''جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے تو دو روحانی وجود جو اَور کسی کو نظر نہیں آتے تھے، ہر دم میرے ساتھ رہتے اور ان کی حفاظت اور راہنمائی کو ہر دم مَیں محسوس کرتا۔ جہاں میں جاتا وہ میرے ساتھ جاتے سوائے چند خاص مکانوں کے، جو ہمارے بعض رشتہ داروں کے

تھے۔ جب میں وہاں جاتا تو باہر ہی ٹھہر جاتے اور دیوار پر سے سر اٹھا اٹھا کر مجھے جلد واپس آنے کو کہتے۔ اُس وقت تو مجھے ان کی بات سمجھ نہیں آئی تھی کیونکہ میں بہت چھوٹا تھا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ ان مکانوں کے مکین اپنی شوخیوں میں اس قدر بڑھ چکے تھے کہ نیکی کی تحریک کرنے والے فرشتوں نے ان کے گھروں میں داخل ہونا چھوڑ دیا تھا۔''

مولانا ظفر علی خان کا عبرتناک انجام

مولانا ظفر علی خان صاحب ایک صحافی ہونے کے علاوہ مشہور سیاسی و مذہبی لیڈر بھی تھے اور ان کی زبان اور قلم نے جماعت احمدیہ کے خلاف بھی خوب زہر اگلا تھا۔ لیکن یہی مولانا جب زندگی کے آخری ایام میں عبرتناک حالات کا شکار ہوئے تو فقط حضرت مصلح موعودؓ کی ذات گرامی ہی تھی جس نے ان کے علاج اور تیمارداری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ مولانا کے انہی ایام کی تصویر کشی محترم احتجاج علی زبیری صاحب نے یوں کی ہے:

''مولانا کو ان کا ایک نوکر ہر روز صبح کوٹھی کی لان میں کرسی پر بٹھا دیا کرتا تھا اور کرسی کے ساتھ لگی پیٹی مولانا کی کمر سے باندھ دیتا تھا تا کہ مولانا بے ہوشی یا نیم بیہوشی میں کرسی سے گر نہ پڑیں۔ مولانا غروب آفتاب تک اسی لان میں کرسی پر تن تنہا پڑے رہا کرتے اور کبھی کسی نے ان کے پاس گھر کا آدمی تو کیا کوئی خدمتگار بھی نہ دیکھا۔ مولانا کی اس وقت کی حالت یہ تھی کہ وہ نہ بول سکتے تھے نہ چل پھر سکتے تھے اور نہ اٹھ بیٹھ سکتے تھے، مجبور اور معذور تھے۔ منہ سے ہر وقت رال ٹپکتی رہتی تھی، اسی کرسی پر ان کا پیشاب پاخانہ نکل جاتا۔''

مالی قربانی کی روح

تقسیم ہند کے بعد جن 313 درویشان نے مرکز احمدیت قادیان کی حفاظت کے لئے خود کو پیش کیا، ان میں ایک نام محترم شمس الدین صاحب کا بھی تھا جو معذور تھے اور 1918ء سے قبل کوہاٹ سے ہجرت کر کے قادیان آئے تھے۔ 1950ء میں آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کا ذریعہ آمد سوائے دست غیب کے کچھ نہ تھا لیکن آپ نے نہ صرف زندگی بھر چندہ ادا کیا بلکہ 1990ء تک کا چندہ وصیت بھی ادا کر دیا جس کی رسیدات دفتر وصیت میں آپ کی فائل میں لگی ہوئی ہیں۔

خراج تحسین

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اپنے ماہنامہ ''ترجمۃ القرآن'' پٹھانکوٹ، اگست 1934ء میں لکھتے ہیں:

''مَیں اکثر اوقات اس پر غور کرتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ مرزا غلام احمد کو اپنے مشن ...... میں اس قدر کامیابی حاصل ہوئی؟ مجھے مرزا صاحب کی کامیابیوں کا سلسلہ لامتناہی نظر آتا ہے اور جس وقت مرزا صاحب کے مخالفین کی نامرادیوں پر غور کرتا ہوں تو وہ بھی بے حد و بے حساب نظر آتی ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ ایک شخص خدا اور اس کے رسول کے مقابل پر کھڑا ہوتا ہے، نائبین رسولؐ کو چیلنج کرتا ہے کہ تم سب مل کر بھی میرے مشن کو فیل نہیں کر سکتے کیونکہ خدا کی تائید میرے شامل حال ہے۔ تم جب بھی میرے مقابلہ پر آؤ گے ہر مرتبہ ذلیل و نامراد ہو گے اور یہی میرے نبی ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ مرزائیوں کی حفاظت کے سامان غیب سے پیدا ہو جاتے ہیں...... دوسری طرف مرزائیوں کے مخالفین کی تباہی کے سامان بھی غیب سے ظہور میں آ جاتے ہیں۔''

افریقہ کی ایک قدیم سلطنت۔غنا

مغربی افریقہ میں ایک قدیم سلطنت کے آثار کا ذکر ملتا ہے جس کا نام سلطنت ''غنا'' تھا اور جو اپنی خوشحالی اور سونے کی افراط کی وجہ سے سنہری سلطنت کہلاتی تھی۔ آج سے تقریباً دو ہزار سال پہلے سلطنت غنا قائم ہوئی اور قریباً ایک ہزار سال تک دُور دُور تک دھاک بٹھائے رکھنے کے بعد ماضی کی یاد بن گئی۔

دراصل غنا موجودہ غانا میں ایک شہر ہے جو گزشتہ زمانوں میں تجارت کیلئے مشہور ہوا اور اس کے نام پر ہی سلطنت کا نام غنا پڑ گیا۔ ایک عرصہ تک مؤرخین اس سلطنت کے دارالحکومت کے بارہ میں تذبذب کا شکار تھے۔ بعض کے مطابق کانو (نائیجیریا) اس کا دارالحکومت تھا۔ 1950ء میں ایک فرانسیسی ہنری بیٹ نے ''کومبے صالح'' کے مقام پر کھدائی کر کے ایک عظیم شہر دریافت کیا اور اسے سلطنت غنا کا دارالحکومت قرار دیا۔

سلطنت غنا کے باشندے دریاؤں سے سونا حاصل کیا کرتے تھے اور غنا کے مشرقی صحرا میں سونے کی تجارتی منڈیاں قائم تھیں۔ مذکورہ کھدائی کے دوران ایک سلیٹ ملی ہے جس پر مختلف رنگوں میں خوشخط قرآنی آیات درج ہیں۔ دیگر اشیاء میں ہتھیار، پوشاکیں اور شیشے کے گول گول ٹکڑے شامل ہیں جن پر بعض حروف کندہ ہیں۔ یہ ٹکڑے غالباً سکوں کے طور پر مستعمل تھے۔

احمدیت سچی ہے

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ 1949ء میں کراچی جاتے ہوئے جب ساہیوال پہنچے تو وہاں حضورؓ کے دست مبارک پر بیعت کرنے والوں میں محترم سعید احمد اعجاز صاحب بھی شامل تھے۔ احمدیت قبول کرنے والے وہ اپنے خاندان میں پہلے فرد تھے۔ آپ کی اہلیہ کو جب اس کا علم ہوا تو وہ بہت ناراض ہوئیں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ دو تین سال کے بعد آپ کا ایک بیٹا شدید بیمار ہوا اور زندگی کی امید ختم ہوگئی تو آپ کی اہلیہ کے دل میں خیال آیا کہ اگر احمدیت سچی ہے تو اللہ تعالیٰ اس بچے کو نئی زندگی دے گا۔ چنانچہ اُسی رات بچے کی حالت بدل گئی اور اس طرح وہ بھی ایمان لے آئیں اور پھر خاندان بھر کی مخالفت کے باوجود ثابت قدم رہیں۔

عرش کے سایہ تلے

حدیث مبارک ہے کہ قیامت کے دن سات قسم کے آدمی عرش کے سایہ تلے ہونگے جن میں سے ایک وہ ہے جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور اُس کے آنسو نکل آئے۔ اس حدیث کو پیش نظر رکھ کر حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ نے جو نظم کہی تھی اس سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

ہزار علم و عمل سے ہے بالقیں بہتر
وہ ایک اشکِ محبت جو آنکھ سے ٹپکا
نہ انفعال، نہ حسرت، نہ خوف و غم باعث
وہ ایک اَور ہی منبع ہے جس سے یہ نکلا
پناہ تیزئ خورشید روز محشر ہے
ملے گا اشک کی برکت سے عرش کا سایہ
جو ''عین جاریہ'' درکار ہے اے زاہد خشک
تو عین جاریہ اپنی بھی کچھ بہا کے دکھا